لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

غیر فانی ملت کا مقصد حیات

اجتماعی کاموں کو چھوڑ کر انفرادی کام بھی تزکیۂ قلب اور تصفیۂ اخلاق کے بغیر فوز حقیقی سے محروم رہتے ہیں۔ افراد کے قلوب جب تک عناد و حسد، بغض و کینہ، عُجب و غرور، ریا و نمائش سے خالی اور اخلاص و ایثار، توکل و اعتماد علی اللہ اور صبر و ثبات سے معمور نہیں ہوتے دنیا میں کامیابی سے اور آخرت میں اجر و ثواب سے ہمکنار نہیں ہوتے، اور یہ ایسے اصول ہیں۔ جو ایک طرف اصول و تعلیمات دین اور دوسری طرف اجتماعی و انفرادی مبادی نفسیات سے ثابت اور مؤید ہیں۔

شخصی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی اس کے کاموں کی غایت رضائے الٰہی کی طلب اور احکام الٰہی کی تعمیل اور اعلاء کلمۃ اللہ کے بلند تخیل کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔ غیر فانی ملت کا مقصد حیات ایسے ہی غیر فانی مقاصد ہو سکتے ہیں۔ ورنہ محض دنیاوی فوز و فلاح یعنی دولت و حشمت، عیش زندگی اور اسباب راحت کی فراوانی اور بلند محلات اور خدم و حشم کی کثرت تو وہ پست و مبتذل مقاصد ہیں۔ جو زندگی کا فریب اور حیات انسانی کا سراب ہے۔

ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ

(لقمان ۳۰)

علامہ سید سلیمان ندوی

(سلوک سلیمانی)

فی شمارہ ۱/۵۰

سالانہ پینتیس ۳۵ روپئے

۲۵، نومبر ۱۹۸۸ء

Regd. No. LW/NP 56

Phone : 72336 73864

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY

NADWATUL-ULAMA. LUCKNOW-226007 (India)

جب خریدیں تب اصلی

نقلی نورانی تیل ہرگز نہ خریدیں

* اگر نورانی تیل کے لیبل پر لائسنس نمبر U-18/77 چھپا ہے تب اصلی ہے
* اگر کیپسول پر ٹریڈ مارک ہے تب مئو کا اصلی نورانی تیل ہے۔

اکثر دوکاندار دو کوڑی والا نقلی نورانی تیل بیچتے ہیں۔ نقلی بنانے والے اپنا صحیح نام پتہ چھپا کر غلط طور سے ہمارا مئوناتھ بھنجن کا پتہ لکھ فراڈ کرتے ہیں اور ہمارے اصلی نورانی تیل اور ٹریڈ مارک کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہیں، اگر نورانی تیل کے لیبل اور کیپسول پر مذکورہ علامات نہیں ہیں تو بالکل نقلی اور جعلی ہے، ڈرگ انسپکٹر سے اسکی جانچ کرالیں، دوکانداروں کے فریب میں نہ آئیں۔ مذکورہ پہچان دیکھ کر ہمیشہ مئو کا اصلی نورانی تیل خریدیں۔

نورانی تیل

درد، زخم، چوٹ، کٹنے، جلنے کی مشہور دوا

انڈین کیمیکل کمپنی مئوناتھ بھنجن۔ یوپی

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

بمبئی کے عوام کا فیصلہ

کیفے فردوس کی چکن تندوری کا جواب نہیں جو ذائقے میں بے مثال ہے

اس کے علاوہ — عمدہ چکن بریانی، مٹن بریانی اور دوسرے مغلائی کھانے

لذیذ و خوش ذائقہ چائینیز کھانے

مثلاً — چکن جلی، — چکن من چو سوپ — چکن من چورین

اور بہترین ویجیٹیرین کھانے

مثلاً — نورتن قورما، ویج جے پوری، ویج مکھن والا وغیرہ

نیز تازہ پھلوں کے رس اور آئسکریم وغیرہ

بمبئی میں اصل ذائقہ دار مغلائی چائینیز اور ویجیٹیرین کھانوں کیلئے صرف ایک عالیشان

کیفے فردوس

جزوی ایئر کنڈیشن

154- سانگ اسٹریٹ، کرافورڈ مارکیٹ کے سامنے بمبئی ۳

فون نمبر 324488 — 348634

حقہ کیلئے خوش ذائقہ

خمیرہ مشکی

ہمیشہ استعمال کیجئے

جو ہندوستان کے علاوہ

غیر ممالک میں بھی مقبول ہے

اعلیٰ و معیاری حقہ تمباکو کے مینوفیکچررز اینڈ ایکسپورٹرز

آزاد بھارت تمباکو فیکٹری

آفس:۔ نادان محل روڈ، لکھنؤ، یوپی (انڈیا) فون 82803

فیکٹری:۔ شیخ پور، عالم نگر روڈ، لکھنؤ یوپی (انڈیا) فون 51254

RES.83429 TELEX 0535-345 AZAD IN. GRAM, KHMIRA, LUCKNOW

پرنٹر پبلشر جمیل احمد ندوی نے "امیت آفسیٹ" گولہ گنج لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے شائع کیا

تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۲۶ | ۲۵ نومبر ۱۹۸۸ء مطابق ۱۴ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ | شمارہ نمبر ۲

اداریہ ——— محمود الازہار ندوی

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

خط و کتابت کا پتہ

منیجر "تعمیر حیات" پوسٹ بکس ۹۳
ندوۃ العلماء، لکھنؤ
انڈیا

زر تعاون

سالانہ : پینتیس ۳۵ روپے
ششماہی : پچیس ۲۵ روپے
فی پرچہ : ایک روپیہ ۵۰ پیسے

بیرون ملک

بحری ڈاک، جلد ڈاک : ۱۰ ڈالر

فضائی ڈاک

ایشیائی ممالک : ۲۰ ڈالر
افریقی ممالک : ۲۰ ڈالر
یورپ و امریکہ : ۲۰ ڈالر

نوٹ

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پینتیس ۳۵ روپے ارسال فرمائیے۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے، چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں۔

مولانا ابو العرفان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ

دار العلوم ندوۃ العلماء کے سابق مہتمم اور بزرگ استاذ، متبحر عالم جناب مولانا ابو العرفان خان صاحب ندوی کا ۱۷ نومبر ۱۹۸۸ء کی صبح ۳ بجے انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۰

مولانا ادھر چند سالوں سے مستقل علیل چل رہے تھے اولاً ان کو ذیابیطس کی شکایت ہوئی پھر "انجائنا" ہوا، جس سے مولانا کی صحت زیادہ خراب ہوگئی۔ مولانا کی صحت میں زیادہ گراوٹ اس وقت آئی جب ایک سال قبل آپ کے کاربنکل نکلا اور آپریشن کرانا پڑا۔ زخم تو ایک وقت کے بعد مندمل ہوگیا۔ مگر اس نے آپ کی صحت کو جھنجوڑ کر رکھ دیا، آپ کی صحت نے ایک نیا موڑ اس وقت اختیار کیا جب دو تین ماہ قبل آپ ۸ گھنٹے سے زیادہ بے ہوش رہے، چونکہ آپ باغ و بہار تھے۔ اور اپنی ذات سے ایک انجمن، جس کی وجہ سے بیماری کا اظہار آپ اتنی شدت سے نہیں کرتے تھے، جتنی شدید وہ تھی، اور آپ نے اپنے معمولات میں کوئی فرق نہیں آنے دیا، لیکن بیماری اپنا اثر ڈالتی رہی اور رفتہ رفتہ صحت میں مزید گراوٹ آگئی۔ اس حادثہ سے صرف چند یوم قبل مولانا کے چھوٹے بھائی ابو ظفر حسان ندوی اور بڑے صاحبزادے محمد عمران ندوی (یہ دونوں بھونڈی میں شاد آدم ٹیکنیکل اسکول میں لکچرر ہیں) اپنی نگرانی میں ڈاکٹر منصور حسن صاحب سے مراجعت کی تھی اور مولانا ان ہی کے زیر علاج تھے۔ مولانا کی صحت مسلسل گرتی جا رہی تھی۔ اس لئے حضرت مولانا جو صرف ۶ یوم قبل رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لئے مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے، ۱۰ گھنٹے قبل یعنی ۱۶ نومبر کی شام کو ۵ بجے ٹیلی فون سے مولانا معین اللہ صاحب ندوی سے رابطہ قائم کیا۔ اور مولانا کی خیریت دریافت کی اور کہا کہ میں دعا کر رہا ہوں۔ حضرت مولانا کا یہ پیغام لے کر ناچیز گیا تھا۔ اس وقت مولانا کے پاس مولانا محمد عارف صاحب ندوی تشریف رکھتے تھے جب یہ پیغام پہونچایا تو بلا کسی تامل کے مولانا مرحوم نے فرمایا: "میں اور دنوں کے بہ نسبت آج زیادہ افاقہ محسوس کر رہا ہوں"، یہ کس کو معلوم تھا کہ مولانا کا یہ فرمانا کسی علامت کی طرف اشارہ ہے اور رات میں زیادہ طبیعت خراب ہوگئی، اور سوا دو بجے اسپتال لے جائے گئے اور ۳ بجے صبح جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

مولانا کے انتقال کی خبر فجر سے قبل ہی طلبہ اور اساتذہ کی ایک بڑی تعداد کو ہو گئی تھی اس لئے فجر کی نماز کے بعد خصوصی دعا اور تلاوت کا اہتمام کیا گیا۔ اور دوسری طرف مولانا کے وطن جونپور اطلاع دینے کی کوشش کی گئی اور بحمد للہ ایسے وسائل مہیا ہوگئے جس سے بروقت اطلاع میں بڑی آسانی ہوئی، غسل دینے کا کام جناب مولانا محمد مرتضیٰ صاحب اور دیگر اساتذہ و طلبہ نے انجام دیا۔ پہلی نماز جنازہ ندوہ کے عددو میں مولانا مفتی محمد ظہور صاحب نے پڑھائی، جسمیں ندوہ کے اساتذہ و طلبہ کے علاوہ شہر کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی اور دوسری نماز مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری نے مولانا مرحوم کے مکان کے سامنے والے میدان میں جونپور میں پڑھائی جس میں مولانا کے اعزہ کے علاوہ شہر کے معززین کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی اور رات کے ۹ بجے جونپور کے قدیم شاہی قبرستان جو مولانا کے گھر سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا، تدفین ہوئی۔

مولانا ابو العرفان صاحب کا شمار ندوہ کے ان افراد میں تھا جن کو قدیم اور جدید کا سنگم کہنا بجا ہوگا انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار مولانا دین محمد صاحب سے حاصل کی پھر دار العلوم دیوبند چلے گئے اور

اسلام کی مدافعت کا سب سے اہم مورچہ

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (صدر شعبۂ ادب عربی ندوۃ العلماء) ✶ ترجمہ: انتخاب عالم

ہر زمانہ میں حالات اور وقت کے تقاضے کے مطابق اسلامی خدمات کے طریقے الگ رہے ہیں، اور علمائے اسلام کی ذمہ داریاں بھی بدلتی رہی ہیں، آج کے اس دور میں غیر مسلموں کے ذہن میں اسلام کی اثر پذیری، اس کی قائدانہ صلاحیت اور نوعِ انسانی کی فلاح و بہبودی کے لئے اس کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہوگئے ہیں یا کر دیئے گئے ہیں۔ اور اسلام کو سمجھنے کی راہ میں شکوک و شبہات کی یہ دیوار جب تک حائل ہے نفاذ اسلام کی کوششیں جو مختلف اسلامی تحریکوں اور جماعتوں کی طرف سے ہو رہی ہیں بار آور نہیں ہو سکتی ہیں۔

اس لئے عالم اسلام کی سب سے اہم ذمہ داری آج یہ ہے کہ وہ ان شکوک و شبہات کو دور کرے جو غیر مسلموں کے ذہن میں راہ پا گئے ہیں۔

آج اسلام دشمن عناصر کی کثرت ہے جو سیاسی اور مادی قوتوں سے لبریز اور ابلاغ و ارسال کے وسائل سے لیس ہے علاقائی اور قومی صحافت سے لے کر بین الاقوامی پریس تک پر وہ اپنا تسلط جمائے ہوئے ہیں اور مختلف قسم کی پروپگنڈائی مشنریاں ان کے ماتحت ہیں، عالمی سیاست پر اثر انداز ہونے کے جتنے بھی ذرائع ہو سکتے ہیں وہ ان سے کام لے رہے ہیں، اور ان سب کے لئے بنیادی چیز جو دولت ہے ان کے پاس اس کی بھی فراوانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ اسلام اور مسلمان کے کارناموں پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں، یا اسلام کے خلاف گمراہ کن خیالات کو عام کرنا چاہتے ہیں اور اسلام کے بارے میں تشکیک و ارتیاب کی کیفیت لوگوں کے ذہن میں پیدا کرنا چاہتے ہیں تو وہ اس میں پورے طور پر کامیاب ہوتے ہیں ——— یہ ایک فطری بات ہے کہ جب انسان کے سامنے بار بار کوئی بات دہرائی جائے، اور مختلف اسلوب اور مختلف انداز میں کسی مذہب یا کسی قوم یا کسی نظریہ کے بارے میں کہا جائے کہ وہ انسانیت کے لئے تباہ کن ہے۔ وہ بنی نوع انسان کو ذلت و پستی کے مہیب غار کی طرف لے جاتا ہے تو لوگ نہ صرف یہ کہ اس مذہب کو قبول کرنے سے گریز کریں گے بلکہ اس مذہب اور مذہب کے پیرو کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں گے، وہ کبھی اس بات کو گوارہ نہیں کریں گے کہ دنیا میں اس کا نفاذ ہو سکے، اور مسلم و غیر مسلم سبھی اس کے ظالمانہ قانون کے شکنجے میں آجائیں۔ مغربی ممالک کے لوگوں کے سامنے اسلام کا ایسا ہی نقشہ پیش کیا جاتا ہے اور اسلام کے بارے میں یہی تھیوری (THEORY) ان کے سامنے بار بار دہرائی جاتی ہے۔ وہ اسلام کے بارے میں وہی پڑھتے اور جانتے ہیں۔ جو اسلام دشمنوں کی طرف سے اسلام کے بارے میں لکھا جاتا ہے۔ جس کے لکھنے والے یا تو اسلام سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں یا جان بوجھ کر اسلام کے خلاف افتراء پردازی کرتے ہیں۔

اور مغربی ذرائع ابلاغ اسلام کے خلاف ان بہتان تراشیوں کی تبلیغ بڑے زور و شور کے ساتھ کرتے ہیں اور لوگ ان کو تسلیم بھی کر لیتے ہیں، اس لئے کہ مغربی یا مشرقی ممالک میں غیر مسلموں کو جن مسلمانوں سے سابقہ پڑتا ہے ان کے کردار سے اسلام کا روشن پہلو ان کے سامنے نہیں آ پاتا ہے، اور خود اسلامی ممالک میں مسلمانوں کا معاشرتی نظام اس قدر بگڑ چکا ہے کہ ایک اجنبی شخص اس کے بارے میں اچھا تصور قائم نہیں کر سکتا ہے، ایسی صورتحال میں کیا غیر مسلموں سے اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے بارے میں اچھی رائے قائم کریں گے۔ اور اسلام کی اعلیٰ تعلیمات سے متاثر ہوں گے؟ جب اسلامی نظریات سے وہ مطمئن نہیں ہوں گے اور اسلام قیادت کے منصب پر فائز ہونا چاہے گا تو ظاہر ہے وہ مخالفت پر اتر آئیں گے اور کبھی یہ نہیں چاہیں گے کہ جس نظریہ کو وہ پسند نہیں کرتے ہیں بر بستی وہ ان پر تھوپا جائے۔

مسلمانوں کی سماجی، اخلاقی اور دینی اصلاح کے لئے یقیناً مختلف انداز میں کچھ کوششیں ہو رہی ہیں اور کسی حد تک پاکیزہ اسلامی صحافت بھی، صحیح اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور غیر مسلموں کے ذہن سے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لئے حتی الوسع کوشش کر رہی ہے، لیکن اس سمندر میں اس کی بساط ہی کیا ہے۔ خود مسلمانوں کے اندر بھی اس کا دائرہ بہت محدود ہے، اور غیر مسلموں میں تو دور دور اس کی آواز ہی نہیں جاتی ہے ——— دوسری طرف اسلامی تحریکیں اور جماعتیں ہیں جو اسلام کی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لئے اپنی مخصوص حکمت عملی کے تحت کام کر رہی ہیں، جو فائدہ سے خالی نہیں ہے، اور زندگی کے کسی نہ کسی دائرہ میں اس کی تاثیر محسوس کی جا رہی ہے لیکن تحریکوں کی سرگرمیوں کے سامنے یہ ایک سوالیہ نشان ہے کہ وہ موجودہ پُرفریب رجحانات سے متاثر زندگی پر کس حد تک اثر ڈال رہے ہیں؟ ان کی کوششوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی حکمت عملی محض غیر مسلموں یا صرف نام کے مسلمانوں کے ہاتھوں سے اقتدار چھین لیا جائے یا ان کو اقتدار سے خود دستکش ہونے پر مجبور کر دیا جائے، لیکن کیا ان اسلامی رہنماؤں کو اس کی توقع ہے کہ وہ اپنے دشمن کو اس کے لئے رام کر لیں گے، اور ان کے دشمن آسانی کے ساتھ اپنی ساری قوت و سطوت کے باوجود ان کے سامنے سپر ڈال دیں گے، جبکہ قوت و تدبیر میں وہ ان اسلام پسندوں سے فائق ہیں اسلامی فکر اور اصحاب فکر کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور گمراہ کن مغربی ذرائع ابلاغ نے عوام الناس کے ایک بڑے طبقہ کو ان کا ہم خیال بنا دیا ہے۔ اور خود جدید تعلیم یافتہ مسلم طبقہ اسلامی فکر اور اصحاب فکر اپنی تنقید کا نشانہ بنانے میں ان کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ ایسی صورتحال میں ہم اپنے مقصد میں کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں جبکہ داخلی و خارجی دونوں طرح کے دشمنوں سے ہم گھرے ہوئے ہیں۔ اور اگر کسی ملک یا شہر میں اس طرح کی کوئی تحریک کسی طرح اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوگئی، اور اسلام مخالف طاقتوں کو قیادت سے ہٹا کر اس پر غالب ہوگئی تو کیا وہ اس ملک یا سماج کو صحیح اسلامی خطوط پر تشکیل کرنے اور اس کی ہیئت انتظامیہ اور عامہ میں دور رس تبدیلی لانے میں بھی کامیاب ہو جائیگی، اور اس کام کے لئے جس اخلاص اور اہلیت کی ضرورت ہے اس کے حامل ضرورت کے مطابق اصحاب کمال لوگ انہیں میسر ہو جائیں گے؟ جب تک ایسے مخلصین نہ ہوں اور جماعت کے اندر عوام کے ذہنوں کو بدلنے کی صلاحیت نہ ہو اس وقت تک صرف قیادت میں تبدیلی لانے میں کوئی بڑا اور دور رس فائدہ نہیں ہے، بلکہ آج کی اولین ضرورت یہ ہے کہ اسلام کی نافعیت کے بارے میں رائے عامہ کو ہموار کیا جائے، اسلام کی صلاحیت اور اس کی معقولیت کو دنیا کے سامنے منوانے کی کوشش کی جائے،

اس خیال کو دور کیا جائے کہ اسلام انسانیت کو وحشت و بربریت کی تعلیم دیتا ہے، اور اس کی کامیابی انسانیت کیلئے موت ہے، کیونکہ اسلام دشمن عناصر اسلام کو بدنام کرنے اور اس کو ناکام ثابت کرنے کے لئے اس قسم کے خیالات کی ترویج و اشاعت میں اپنی ساری توانائی صرف کر رہے ہیں، اور اپنے گمراہ کن خیالات کی تائید میں مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کے معاملات اور ان کے غلط اعمال و افعال کو بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں، دوسری طرف مسلمانوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے فضائل اور اس کے اعلیٰ اخلاقی تعلیمات کی ترویج و اشاعت میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔ اس کی حقانیت، قائدانہ صلاحیت اور اس کو انسانیت کے لئے رحمت ثابت کرنے کے لئے کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ اور نہ علم، تہذیب، تمدن، سیاست، حکومت اور اخلاقی کردار کے میدانوں میں اس کے متبعین کے روشن کارناموں کو اس طرح پیش کیا جو ان کا حق تھا۔ بلکہ بسا اوقات ان کے غیر مسلم پڑوسی ان کے مذہب کے فضائل اور اخلاقی تعلیمات سے باوجود قریب ہونے کے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔

مغربی ممالک میں بسنے والے غیر مسلم لوگ ہم مسلمانوں، خصوصاً عربوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ رجعت پرست اور وحشی ہوتے ہیں جنکی زندگی کا مقصد صرف زیادہ سے زیادہ شادیاں کرنا اور طلاق دینا ہے، عورتوں پر ظلم ڈھانا، ان کو انسانی حقوق سے محروم کرنا ان کا طرہ امتیاز ہے

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

۱۹۳۹ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں آگئے، آپ یہاں سے فارغ ہوئے اور یہیں مدرس مقرر ہو گئے، اور آخر وقت تک آپ اس منصب پر فائز رہے مولانا نے فراغت کے بعد ایک وقت وسعت مطالعہ کو بڑھانے کے لئے دوسری جگہوں پر بھی گذارا، ان ہی میں علامہ سید سلیمان ندوی کے نگرانی میں مطالعہ کا بھی وقت شامل ہے۔

مولانا کا شمار ندوہ کے ان اساتذہ میں ہوتا تھا جن کو طلبہ، اساتذہ اور انتظامیہ بڑی عزت و احترام سے دیکھتی تھی طلبہ تعلیم اور مطالعہ کے متعلق آپ کے مشوروں سے استفادہ کرتے تھے۔ اور آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر اپنے کام کو آگے بڑھاتے تھے، اساتذہ آپکو علمی مرجع سمجھتے تھے اور علمی و تعلیمی امور پر رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ انتظامیہ آپ کی جہانداری اور تعلیمی امور سے بہت قربت اور روشناسی کی وجہ سے آپ کے مشوروں کو کلیدی حیثیت دیتی تھی۔

مولانا کا ذوقِ مطالعہ بڑا نفیس اور علمی تھا۔ اور اس ذوق اور طلب نے آپ کی شخصیت کو بنانے میں اور مرتبہ و مقام دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ انکا اس بابت "ھل من مزید ھل من مزید" کا طرز عمل تھا۔ کلام، فلسفہ، تاریخ، سوانح عمریاں، تذکرے، فلاسفہ اسلام کی تاریخ اور ان کے افکار و نظریات اور علمی کارناموں سے آپ کو بہت شغف تھا۔ وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے وہ علماء کے طبقہ میں بھی لائقِ احترام تھے۔ اسی طرح وہ جدید دانش گاہوں میں بھی مرجع کا درجہ رکھتے تھے، اور بہت سی دانش گاہوں اور علمی حلقوں کے آپ رکن تھے۔

مولانا اپنے فن میں مہارت، وسعت مطالعہ، اور طلاقت لسانی پر دسترس رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس وقت ہوتا جب آپ کسی مذاکرہ یا سیمینار میں شریک ہوں اور آپ کو برجستہ اظہار رائے کرنا پڑے، مولانا کا حافظہ غضب کا تھا اور اس کا استحضار بھی رہتا تھا اس لئے مولانا کو کسی مجلس میں چاہے وہ علماء کی مجلس ہو یا خود اہل دانش کی مولانا اس مجلس میں اپنے وسعت مطالعہ اور علمی معلومات کی بنیاد پر اپنا مقام خود بنا لیتے تھے، اور اپنی راہ مدلل طور پر متعین کر لیتے تھے۔

مولانا کے علمی وسعت مطالعہ، اور فکر اسلامی سے بے نظیر واقفیت، فلسفہ اسلام پر دسترس کی وجہ سے یونیورسٹی، گرانٹس کمیشن نے ان سے مشورہ لئے، اور اسی وجہ سے مولانا کو حکومت ہند نے اپنے بعض اہم سرکاری وفود میں ایک اہم فرد کی حیثیت سے شامل کیا۔

مولانا کی زندگی کا آغاز ندوہ میں ۱۹۳۹ء سے ہوتا ہے۔ وہ اس وقت سے لے کر آخر دم تک اس ادارہ سے منسلک رہے۔ انھوں نے یہاں پر اپنی زندگی کا آغاز ایک طالب علم کی حیثیت سے کیا۔ اور اختتام ایک متبحر عالم اور علم شناس سے کیا۔ مولانا ندوہ میں مدرس بھی رہے، طلبہ کے امور کے نگراں بھی رہے، اور ایک مدت تک اہتمام کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ۸۵ء سالہ جشن تعلیمی کے سکریٹریٹ کے انچارج بھی رہے، اور یہیں سے مولوی محمد یعقوب صاحب ندوی کا ربط و ضبط ان سے بڑھا۔ اور وہ مولانا کی شخصیت سے اس طرح منسلک ہوئے کہ اندرون ملک کے بعض اسفار میں بھی وہ ساتھ رہے اور بیماری میں بھی دل و جان سے خدمت کی اور انتقال کے وقت تک وہ مولانا کے پاس رہے۔

مولانا آخر میں ندوۃ العلماء کے رکن اور وکیل کلیۃ الشریعہ اور استاد تھے۔ تعمیر حیات بھی مولانا ہی کی نگرانی میں نکل رہا تھا۔ مولانا کو یہ ذمہ داری مولانا محمد الحسنی مرحوم اور اسحاق جلیس مرحوم کے انتقال کے بعد سونپی گئی تھی۔ مولانا تعمیر حیات اور اس کے عملے کے ساتھ بڑی شفقت کا معاملہ کرتے تھے جیسے گھر کا بڑا یا ادارہ کا ذمہ دار اپنے چھوٹوں کے ساتھ کرتا ہے۔

مولانا ممتاز شخصیت کے مالک تھے اور طویل تعلیمی تجربہ رکھتے تھے، اور اس میدان میں جو تبدیلیاں ہوتی رہی تھیں، وہ ان سے بھی واقف رہتے تھے بلکہ تعلیمی نفسیات کے بدلتے ہوئے خط و خال کو سمجھنے میں بھی ان کو کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، اسی وجہ سے آپ یونیورسٹیوں کے تعلیمی شعبوں اور نصاب کمیٹیوں کے ممبر تھے، آپ معاملہ فہم تھے

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

محمد فہیم اختر، متعلم عالیہ رابعہ شریعہ

افسوس! وہ ہم سے جدا ہو گئے آنکھیں اشکبار ہیں، دل غم و اندوہ کے بوجھ تلے ہیں، اور قلم فگار ہو کر کہہ اٹھا ہے ؎

کیا لکھوں قصۂ غم تاب رقم بھی تو نہیں

۱۷ر اکتوبر ۹۹ء بدھ و جمعرات کی درمیانی شب جس دم پوری دنیا محو خواب تھی، ہر جا سکون کا عالم، ایک بے سکون و مضطرب روح اپنے پروردگار سے ملنے کیلئے بے قرار تھی، ادھر حورانِ جنت استقبال کیلئے تیار، خدائے رحیم و کریم کی مرضی پا کر قفس عنصری سے عالم قدس کو پرواز کر گئی،

"یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"

عالم اسلام کی نامور اور قابل فخر شخصیت، علم کلام کے بحر کے شناور، وسیع النظر مورخ، دیدہ ور محقق، خوش مذاق زبان داں، ہر بزم کے صدر نشیں، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ابو العرفان خاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ ؏

چرخ اب مجھ سے یہ کہتا ہے کہ منقوش کہوں

تقریباً پانچ بجے صبح ایک ساتھی نے یہ دلخراش و اندوہناک خبر دی، یقین کرنا قریباً ممکن نہ تھا اسی وقت مولانا کی آرامگاہ کی جانب دوڑا ایسا محسوس ہوا کہ نیم خوابی کے عالم میں خواب دیکھ رہا ہوں، لیکن لمحوں کے بعد ہی لرزتا لڑکھڑاتا مولانا کے جسد خاکی کے سامنے کھڑا تھا، اب بھی یقین نہ آیا تھا، وہاں پر موجود ساتھیوں سے پوچھنے لگا کہ "کیا وفات کی تصدیق کرائی گئی ہے؟ کس نے دیکھا ہے؟ چادر ہٹا کے دیکھا جائے" ہر ایک کی زبان پر سکتہ کا عالم تھا، کوئی جواب نہ مل سکا، اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دینے لگا کہ لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے، مولانا خود ہی اٹھ کر بیٹھ جائیں گے، لیکن ۔۔۔۔!

سپیدۂ صبح نمودار ہو چلا تھا، سحر کی نرم خرم ہواؤں میں کوئی لذت نہ تھی، وہ آج پیغام بیداری کے ساتھ اندوہ گیں خبر لا رہی تھیں، جلد یقین نہ آنے والا واقعہ اب حقیقت بن کر سامنے آ چکا تھا، دل تھام تھام کر رہ گیا، زبان گنگ ہو گئی دل نے پڑھنا شروع کیا "ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شئ عندہ باجل مسمّٰی" ؎

جسکی آوازوں سے لذت گیر اب تک گوش ہے
وہ جرس کیا اب ہمیشہ کیلئے خاموش ہے

آج دار العلوم ندوۃ العلماء اپنے ایک لائق اور عظیم فرزند پر سوگوار ہے اس چمن کی ہر کلی پر غم ہے، در و دیوار سے حسرت ٹپک رہی ہے، رواق اطہر مغربی مطبخ تک کی وہ شاہراہ جس پر جانے کتنی بار آپ کے نشاناتِ قدم ثبت ہوئے تھے جسکی رونق آپ سے قائم تھی، اس خاک راہ کا ایک ایک ذرہ آج ماتم کناں ہے (بقیہ ص ۱۵ پر)

اور آپ کی اس صفت کی وجہ سے بہت سے خاندان انتشار سے محفوظ رہ گئے علمی طور پر مولانا اپنا ایک وزن اور وقار رکھتے تھے۔ اور سامع آپکی مجلس میں آنے کے بعد آپکے علم سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

مولانا نے کم و بیش ۸۴ سال کی عمر پائی، آپ کی تصانیف میں ائمہ اربعہ علم کلام، اور فلسفہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، مولانا ہی نے مولانا حکیم عبد الحئی الحسنیؒ کی کتاب "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" کو اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں کے نام سے اردو کا قالب دیا تھا، اس کے علاوہ لاتعداد مضامین اور مقالات، مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ہیں جن کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں۔

مولانا کے پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ چھ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں جن میں سے دو، رضوان (بمبئی) اور نیفان (مکہ مکرمہ) میں ہونے کی وجہ کر شریک نہ ہو سکے تھے۔ محمد عمران، محمد نعمان، محمد سلیمان، اور محمد سفیان موجود تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور مولانا پر اپنی خاص رحمتوں کی بارش کرے۔

(آمین)

ندوہ کا چہکتا بلبل

شمس الحق ندوی

احاطہ ندوہ میں ۱۸ر نومبر ۹۹ء پنجشنبہ کی صبح بڑی غمناک یاس و حسرت کی تصویر اور بلا کی خاموش اور اداس صبح تھی کہ اس صبح کو دار العلوم ندوۃ العلماء کا تاریخ و علم کلام، مذاہب و فرق اسلامیہ پر گہری نظر رکھنے والا اور سیکڑوں عربی قصائد و مراثی کا حافظ ہزاروں اردو فارسی کے لاجواب اشعار کا متحرک دیوان، اور علوم اسلامیہ کی اور بہت سی شاخوں پر چہکنے والا بلبل خوش نوا، چہکتے چہکتے اچانک خاموش ہو گیا۔ اور اپنی صاعقہ اثر خاموشی سے خورد و کلاں، قریب و بعید سب کو حیران و دم بخود چھوڑ گیا۔ یعنی مولانا ابو العرفان خان ندوی جن کو اب رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہوئے دل بھر آتا ہے اور آنکھیں ڈبڈبا جاتی ہیں۔ گھنٹہ دو گھنٹہ کی مختصر تکلیف کے بعد یکایک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون" "للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ"

یہ دنیا سرائے فانی ہے، یہاں کی ہر شئے آنی جانی ہے۔ جو آیا ہے اس کو جانا ہے لیکن کچھ جانے والوں کا جانا ایسا ہوتا ہے کہ ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوتا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ مولانا کی وفات حسرت آیات سے ندوۃ العلماء کی مجلس علمی میں ایسا خلا پیدا ہوا ہے جس کا پر ہونا مشکل نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو بلا کا ذہن و حافظہ دیا تھا۔ وہ تاریخ و علم کلام کا ایک متحرک و بولتا ہوا کتب خانہ تھے، ہم نیازمندان کی مجلس میں بیٹھتے تو تاریخ اسلام اور مذاہب و فرق اسلامیہ پر اس طرح باتیں کرتے جیسے سامنے کتاب کھلی ہوئی ہو، ان کی تاریخی یادداشت بہت قوی تھی۔ حضرت مولانا علی میاں مدظلہ تاریخی حوالوں کی تلاش کے سلسلہ میں مولانا کو اکثر یاد فرماتے اور کام حوالہ فرمایا کرتے تھے، مولانا کی علمی حیثیت اور مقام سے متعلق ان کے احباب معاصرین لکھیں گے۔ اس وقت تو ان کی روزمرہ کی سادگی، پرتکلف و تصنع سے پاک اپنے خوردوں تک کے ساتھ نہایت بے تکلف اور ہنس ہنس کر بات کرنے کی ہلکی سی جھلک اور کچھ تاثرات پیش کر دینا مقصود ہے۔

مولانا اپنی اس بلند مقامی کے باوجود نہایت سادگی کے ساتھ رہتے تھے ان کے کمرہ کو اور اس کے ساز و سامان کو دیکھ کر یہ قطعاً نہیں خیال آ سکتا تھا کہ وہ اس علمی پایہ کے شخص ہیں۔ اپنے کمرہ کے سامنے معمولی سی چارپائی پر جو بانس کی ہوتی تھی، صرف تکیہ لے کر بیٹھ جاتے تھے۔ اور اس کا ذرا بھی خیال نہ فرماتے کہ دیکھنے والا کیا کہے گا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ اسی حال میں بعض موقر اور اہل علم حضرات آ جاتے، اور مولانا اس کی مطلق پرواہ نہ کرتے، خود اپنی بس کھٹیا پر بیٹھے رہتے اور آنے والے کے لئے کرسیاں منگوا لیتے، مولانا بڑے خوش دل اور باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے، مسائل زندگی کس کے ساتھ نہیں لگے ہوتے، نجی، گھریلو مسائل کی الجھنیں بھی ہوتی ہیں، اور قومی و ملی مسائل کی بھی، اور متعلقہ ادارہ اور ذمہ داریوں کی بھی۔ مگر مولانا کبھی بھی مضمحل و پژمردہ نہیں دکھائی دیتے تھے ہر وقت نشاط و انبساط کے ساتھ باتیں کرتے تھے، کسی ناگواری و اختلاف رائے کے موقع پر بھی متانت و سنجیدگی ہی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ درس میں طلبہ کو ہنسا، بلا کر اور لطائف سنا سنا کر نشیط رکھتے تھے، پڑھنے اور مطالعہ کا ایسا ذوق تھا کہ کتب خانہ میں داخل ہوتے تو، یہ کتاب لاؤ، وہ کتاب لاؤ ایک ہنگامۂ خوشگوار بپا ہو جاتا تھا۔ ان کے خورد ان کی اس ادا سے ہنستے بھی تھے اور مستفید بھی ہوتے تھے، ہمارے علم و مشاہدہ میں مولانا کی زندگی کا جو حصہ ہے وہ اسی طرح گذری، ان کو کبھی اداس و مضمحل نہیں دیکھا، ادھر چند مہینوں سے مولانا کی تکالیف کچھ اس طرح کی چل رہی تھیں کہ مولانا زندگی سے مایوس ہونے لگے تھے مگر اظہار بہت کم کرتے تھے، انتقال سے تین دن قبل خدمت میں حاضری ہوئی تو تنفس کا اثر تھا، حال معلوم کرنے پر فرمایا کہ یہی شکایت مولانا محمد اویس صاحب کو بھی ہوئی تھی۔ مگر وہ اس حال میں دس سال تک چلے تھے یہ کہہ کر خاموش ہو گئے، مگر اس خاموشی اور اندازِ کلام میں زندگی سے مایوسی جھلک رہی تھی، پندرہ دن سے طبیعت میں برابر اتار چڑھاؤ ہو رہا تھا، ڈاکٹروں نے خطرہ محسوس کر لیا تھا۔ مگر خاص ذمہ داروں کے علاوہ مولانا تک کو اس کی اطلاع نہیں کی گئی تھی۔ انتقال کی شام تک اپنے معصوم اور چھوٹے چھوٹے نواسوں کے ساتھ ہنستے اور گیند اچھالتے رہے گیارہ بجے شب تک بہت اچھے اور منشرح تھے۔ لیکن ۱۲ بجے شب سے تکلیف شروع ہوئی دو بجے ناقابل برداشت ہو گئی اور اسپتال لے جایا گیا ڈاکٹر اپنی تدابیر کرتے رہے، اور مولانا کی روح قفس عنصری سے پرواز کرنے ہی پر آمادہ رہی اور چند ہی لمحات میں اپنے خالق و مالک سے جا ملی مولانا کے شاگرد ہزاروں کی تعداد میں ہند و بیرونِ ہند پھیلے ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ وہ دعائے مغفرت و ایصال ثواب کا اہتمام کریں گے، مولانا کے بہت سے احباب و شاگرد حجاز مقدس میں ہیں۔ جنھوں نے مولانا کے لئے طواف و دعائیں بھی کی ہوں گی۔ اتفاق ہی کہیئے اور مولانا کی خوش نصیبی کہ اس وقت حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی جن کے لئے یہ حادثہ انتہائی افسوسناک ہے۔ بلد امین میں موجود ہیں جس دل سے دعائیں فرمائی ہوں گی وہ مولانا کی مغفرت و بلندیٔ درجات کی علامت ہیں۔ مولانا کے دو محترم ساتھی معتمد تعلیمات دار العلوم ندوۃ العلماء ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی، اور صدر شعبۂ ادب عربی مولانا سید محمد رابع ندوی بھی اس وقت حجاز مقدس میں موجود ہیں۔ ان سب حضرات نے مولانا کے لئے عمرہ و طواف کیا ہوگا۔ یہ سب مولانا کی مقبولیت کی علامات ہیں۔ مولانا ہم سب سے اچانک جدا ہو گئے، مگر یادوں کی ایک بارات چھوڑ گئے مولانا ہم سے جدا ہو کر وہاں چلے گئے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ ؎

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا سے بہت کچھ سیکھا اور پڑھا مگر ان کی دو باتیں دل پر نقش ہیں جو کبھی بھی بھول نہیں سکتیں، ایک مرتبہ میں کسی خادم کی ناسمجھی و کارکردگی کی شکایت کرنے لگا مولانا نے فرمایا مولوی شمس الحق اگر سمجھدار ہوتا تو وہ بھی مولوی شمس الحق ہوتا۔

مولانا کے اس مختصر سے فقرے نے سماجی و معاشرتی زندگی گذارنے کے سلسلہ میں نصیحتوں کا ایک دفتر کھول دیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ عشرۂ ذی الحجہ کے زمانہ میں قربانی کے سلسلہ میں بات کر رہا تھا، مولانا نے فرمایا، ایک قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کیا کرو، اس میں اخروی فوائد کے ساتھ ساتھ دنیاوی خیر و برکت کے بے شمار منافع ہیں۔

مولانا ہم میں نہ رہے مگر ان کا انداز گفتگو اپنے علمی وقار و مقام کی کچھ بھی پرواہ کئے بغیر مجلس میں ہنس ہنس کر بات کرنے کا انداز اور چلنے پھرنے کی تصویر نگاہوں میں اس طرح بسی ہے کہ معلوم ہوتا ہے۔ ؎

یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں
یہ آ رہے ہیں، وہ جا رہے ہیں

مولانا کے رفقائے خاص میں جناب مولانا معین اللہ صاحب نائب ناظم ندوۃ العلماء معتمد تعلیمات ڈاکٹر عبد اللہ عباس صاحب ندوی، مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندوی اور مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کی عمر دراز فرمائے۔ اور اپنے ایک اہم ترین ذہین و معاملہ فہم رفیق کار، اور دوست کی جدائی کے غم کو جھیلنے کی قوت اور صبر جمیل عطا فرمائے۔ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ اپنے ایک انتہائی لائق شاگرد، اور خاندان ندوہ کے اہم رکن کی جدائی سے دل گرفتہ ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ان بزرگوں کے ہمت و حوصلہ میں اضافہ فرمائے۔ اور حادثے کو سہار لے جانے کی قوت بخشے اور ندوۃ العلماء اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتا رہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے نیازمندوں اور خوردوں کو، مقاصد ندوۃ العلماء کو بروئے کار لانے میں کوشاں و مستعد رکھے اور اس خلا کو پر کرنے کی توفیق دے۔

(بقیہ ص ۱۵ پر)

المرتضیٰ

— پروفیسر خلیق احمد نظامی

ذیل کا مضمون ۷ر نومبر کو حضرت مولانا سید ابو الحسن علی مدظلہ کی تازہ شاہکار تصنیف "المرتضیٰ" کے رسم اجرا کے موقعہ پر پڑھا گیا جو کتاب مذکور پر جچے تلے الفاظ میں تعارف کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ہم اسے ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ تاکہ ہمارے قارئین کتاب کی اہمیت سے واقف ہو جائیں اور اس سے استفادہ کے شائق بنیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

العلماء مصابیح الارض

علماء زمین کی روشنی ہیں۔ آج ایک مصباح الامت کی ضیاء پاشیوں سے اکتساب فیض کا جذبہ ہمیں یہاں لایا ہے۔ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا "کاروانِ زندگی" جب حرکت کرتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک قندیل رہبانی ہے جس کی ضوفشانی نے دور دور تک گزرگاہوں کو روشن کر دیا ہے۔

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

آج اس قندیل کی روشنی "باب العلم" تک پہونچنے میں ہماری رہبر بنی ہے، وہی "باب العلم" جس کے متعلق حضورؐ کا ارشاد ہے:

انا مدینۃ العلم وعلی بابہا

مولانا علی میاں کے علمی کارناموں بالخصوص "المرتضیٰ" کے متعلق کچھ عرض کرتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا۔ ؎

"ذرہ ام اما بہ خورشیدم مقابل کردہ اند"

رائے بریلی کے دائرہ علم اللہ میں دعوت و عزیمت، ارشاد و تلقین، علم و فضل، سخنوری اور سخن شناسی سلوک و عرفان کا جو حیرت انگیز اجتماع نظر آتا ہے وہ ہندوستان کے بہت کم علمی خانوادوں کو نصیب ہوا ہے۔ یہاں تقریباً تین سو سال تک علم و فضل کی روایت کی آبیاری کی گئی ہے۔ مولانا علی میاں آج اس عظیم الشان خاندانی روایت کے امین، اس کے بصیرت افروز علمی کارناموں کے پاسبان، اور اس کے روح پرور مسلک دعوت و عزیمت کے ترجمان ہیں۔ ان کے علمی تبحر، بلند اخلاق، اور سوز دروں میں خاندان کی مقناطیسی قوت کچھ اس طرح کام کر رہی ہے کہ بے اختیار زبان پر آتا ہے ؎

"تو نخل خوش ثمر کیستی؟ کہ باغ وچمن
ہمہ زخویش بریدند و در تو پیوستند!"

مولانا کی علمی اور ادبی کاوشوں کا میدان بہت وسیع ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کاوشوں کا رشتہ ملت کی ضروریات، حالات کے تقاضوں، دعوت و اصلاح کے مطالبوں اور احیاء دینی کے جذبات کے کچھ اس طرح جڑا ہوا ہے کہ اگر ان کی تصانیف کا تاریخی پس منظر ذہن میں ہو تو ملت اسلامیہ کی ذہنی اور فکری تاریخ کا جیتا جاگتا نقشہ سامنے آ جائے۔ عصر حاضر میں عربی ذہن پر جس کتاب نے غیر معمولی اثر ڈالا ہے اور عربوں کو ان کے منصب و مقام سے آشنا کرنے میں فقید المثال کارنامہ انجام دیا ہے۔ وہ ان کی "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ہے" اس کتاب میں ایک حساس ملی شعور کی پُرنم آنکھیں شاہراہ مقصود کا پتہ دیتی نظر آتی ہیں۔ انھوں نے جہاں عربوں کو ان کے مقام اور ذمہ داریوں سے آگاہ کیا ہے۔ وہاں مغرب کو اس تہذیب کے مہلک اثرات سے باخبر کرنے میں گریز نہیں کیا جو خودکشی کیلئے اپنے دامن میں خنجر چھپائے ہوئے ہے۔ انھوں نے ممالک اسلامیہ میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش کا جائزہ بڑی دیدہ دری سے لے کر بتایا ہے کہ مسلمانوں کو خود اپنے علمی اور ثقافتی سرمایہ کو دیکھنا چاہیئے کہ اس میں کس کس درد کا درماں موجود ہے۔ مغربی علمی مرکزوں میں اسلامی تہذیب و تاریخ کو صحیح معروضی انداز میں پیش کرنے کی تدابیر سوچی ہیں مولانا کی دردمند لیکن پر امید آواز دور دور تک پہونچی ہے۔ اس پس منظر میں جب "المرتضیٰ" کو دیکھا جائے تو اس کی بالکل نئی اہمیت اُبھر کر آتی ہے۔ یہ نہ صرف وقت کے ایک اہم تقاضے کو پورا کرتی ہے، بلکہ تاریخ کے بعض ایسے گوشے اس سے منور ہو جاتے ہیں جن پر مدتوں تعصب اور تنگ نظری کے پردے پڑے رہے ہیں۔ اور جن کے گرد بقول فاضل مصنف جذبات و تصورات کا ایک تنگ و سنگین حصار قائم کر دیا گیا ہے اس "اجارہ داری" کو اس کتاب نے غیر معمولی بصیرت کے ساتھ ختم کیا ہے۔ اور علی المرتضیٰؓ کی عظمت و شان کو عقیدت و ارادت کے محدود دائروں سے نکال کر تاریخ کے وسیع چوکٹے میں اس طرح سجایا ہے کہ تاریخی بصیرت کی نئی راہیں کھل گئی ہیں۔ شاید انداز بیان شوخ ہو جائے، لیکن شاہ نیاز احمد صاحب کا یہ شعر اجارہ داری کے خلاف ان کے جذبات کا مکمل ترجمان ہے۔ ؎

"ایک تو ہی نہیں، میں بھی ہوں اُن آنکھوں کا مارا
اے اہل نظر! نرگس بیمار سے کہہ دو"

میری نظر میں "المرتضیٰ" کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس میں اسلامی تاریخ کے ایک ایسے دور کو جو مختلف فرق و عقائد کے تصادم کا اس طرح بازیچہ بن گیا تھا کہ اس میں کوئی گفتگو مناظرہ اور مجادلہ (مسئلۂ ...) کی شکل اختیار کئے بغیر نہ رہتی تھی، فاضل مصنف اس کو ایک ایسی سطح پر لے جانے میں کامیاب ہو گئے ہیں جہاں حالات کے افہام و تفہیم کے لئے ایک نیا پس منظر پیدا ہو گیا ہے۔ انھوں نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ اگر خلوص اور بصیرت کا ساتھ ہو تو صدیوں کی کہرُ دم بھر میں چھٹ سکتی ہے۔ یہ صرف تاریخ نویسی نہیں ہے بلکہ یہ وہ مقام ہے جہاں فاضل مصنف کا خامہ معجز رقم ایک تاریخ ساز کام انجام دیتا نظر آتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے اس اہم دور کے واقعات اب مختلف زاویہ ہائے نگر رکھنے والے حضرات کھلے دل سے پڑھ سکتے ہیں اور نئی روشنی حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ بہت بڑا شرف اور بہت بڑی سعادت ہے۔ جو مولانا کے لئے مقدر تھی، اور اس کے لئے وہ لائق مبارکباد ہیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب انھوں نے "المرتضیٰ" پر قلم اٹھایا تو ان کے حساس ملی شعور نے متنبہ کیا ؎

وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے

انھوں نے "المرتضیٰ" سے دلوں کو جوڑنے کا کام لیا ہے، اور یہ بہت بڑا کام ہے جو خود تاریخ میں ان کا مقام متعین کرتا ہے۔ ؎

در دمی خیزد از دل فیضیؔ
سوز شی درکتاب می بینم

تاریخ اور سیرت نگاری مولانا کے وہ محبوب موضوع ہیں جن میں ان کی ذہنی کاوشوں کا بیشتر حصہ نظر آتا ہے انھوں نے سیرت سید احمد شہیدؒ سے جس علمی کاوش کا آغاز کیا تھا۔ وہ آج "سیرت علی مرتضیٰ" تک کچھ اس طرح پہونچی ہے کہ انداز بیان کی شگفتگی، نقطہ نظر کی معروضیت، حکمت دینی کی رہبری نے ایک عجیب دلکشی پیدا کر دی ہے۔

مولانا علی میاں کا طرزِ نگارش ان کی شخصیت کی عکاسی کرتا ہے — وضعیت سے پاک اور دل میں جگہ تلاش کرنے والا۔ "از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق۔ ان کی تاریخی بصیرت نے حضرت علیؓ کا وہ مرقع تیار کر دیا ہے جو اسلامی تاریخ میں یادگار رہے گا، اور جس سے تحقیق و تجزیہ کی نئی راہیں کھلیں گی۔ جب مولانا شبلی کی "الفاروق" کا اعلان ہوا تھا تو علمی حلقوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ آج تقریباً ۱۰۰ سال بعد "المرتضیٰ" کے اعلان نے تشنگانِ علم کے ساتھ وہی عمل کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ خود ان کے خانوادۂ علم اور شبلی اسکول پر ایک قرض تھا، جو مولانا نے اس خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ ؎

سالہا گوش جہاں زمزمہ زا خواہد بود
زیں نواہا کہ دریں گنبد گرداں زدہ اند

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ازالۃ الخفا میں خلافت راشدہ پر گفتگو کرتے ہوئے ایک جملہ لکھا ہے۔

←

←

بعلم الیقین دانستہ شد کہ اثبات خلافت ایں بزرگواراں اصلی است از اصولِ دین، تا وقتے کہ ایں اصل را محکم نگیرند، ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود۔

مولانا علی میاں نے جس طرح عربی پس منظر میں قبائلی جذبات کو سمجھایا ہے، اور معاصرانہ رجحانات کا تجزیہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ خلفاء کی ترتیب زمانی میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ تھیں، وہ غیر معمولی بصیرت، محققانہ تیز نگاہی اور بیدار ملی شعور کی نشاندہی کرتا ہے، وہ منطقیانہ استدلال کے بجائے حق و صداقت کو رہبر بنا کر چلتے ہیں، اور ذہن و دل کو اپنا ہم خیال بنا لیتے ہیں۔ اس طرح دوسرے کے دل کو آواز دے کر کوئی اپنے جلو میں لے کر نہیں چل سکتا جب تک حق و صداقت سے خود اس کا پیکر ایک آئینہ نہ بن چکا ہو۔

قریش کی خصوصیات اور ان کے استحقاق خلافت پر بعض ذہنوں میں خلش پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کوئی معقول توجیہ اس کی نہیں ملتی۔ مولانا کی یہ تحریر آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، جس سے ذہنوں کا غبار چھٹ جاتا ہے۔ اور ایک تاریخی حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آ جاتی ہے لکھتے ہیں۔

"اہل قریش کی امتیازی خصوصیات میں یہ بات بھی تھی کہ وہ اپنی اولاد سے محبت رکھتے تھے (بدویانہ معاشرت میں یہ بات نہ تھی) خانۂ کعبہ کا طواف کرتے تھے، مناسک حج ادا کرتے تھے، میت کو کفن پہناتے، غسل جنابت کرتے ... شادی بیاہ ذرا دور کی قرابت میں کرتے اور نکاح میں گواہوں اور مہر کا التزام رکھتے طلاق دیتے تو تین بار — قرآن نے اس طرز معاشرت کو بنظر استحسان دیکھا اور اسی کو شریعت قرار دیا"۔

جس قبیلہ کا طرز معاشرت، شریعت کی اساس قرار پائے اس کی برتری اور استحقاق مسلم ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ اس عبارت کے پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ اسلام کے نظام کو سنبھالنے کے لئے اہل قریش بہترین سماجی عنصر تھے جس کو دوسروں کے مقابلہ میں بہتر طور پر قیادت کی خدمت سپرد کی جا سکتی تھی۔

مولانا کے نقطۂ نظر کا اعتدال اور منصفانہ انداز کہیں ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ نسب کے متعلق سب کچھ کہہ دینے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کر دیتے ہیں کہ ؛ فرمایا۔

"جس کو عمل نے پیچھے ڈال دیا ہو، اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکتا"۔

فاضل مصنف نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی ذات خوبیوں، وہبی کمالات، اخلاق و شمائل، دینی بصیرت، زہد و تقویٰ، خلوص و قربانی کی تفصیلات بڑی دقتِ نظر سے مرتب کی ہیں۔ اور ان حالات کا تجزیہ بھی کیا ہے جن میں حضرت علیؓ کو کام کرنا پڑا تھا، یہ تجزیہ منصفانہ بھی ہے۔ بصیرت افروز بھی۔ اگر اس کو منزل بمنزل سمجھ لیا جائے تو پھر اس عہد کی تاریخ بالکل نئے آب و رنگ میں نظر آئے گی۔ مصنف نے باقی تین خلفاء سے ان کے تعلقات کا ہر ہر پہلو واضح کیا ہے اور جن عوامل و محرکات نے ان کی جد و جہد و سعی کا رخ متعین کیا تھا، ان کو بھی روشن کر دیا ہے۔ اکثر مورخین کا قلم اس دوسری منزل پر پہونچ کر سرنگوں ہو جاتا ہے اور تلاش و تحقیق کے مطالبات سخت تر نظر آنے لگتے ہیں۔ فاضل مصنف جب اس منزل پر پہونچے تو آزمائش کے کتنے ہی میدان نظروں کے سامنے آ گئے۔ لیکن ان کے عزم و ارادہ نے شبلی کا ہم زبان ہو کر کہا ؎

رہی تحقیق و تنقید روایات ہائے تاریخی
سو اس کے واسطے حاضر ہے میرا دل مری جاں ہے

اور حقیقت یہ ہے کہ اس میدان کو جس انداز میں انھوں نے سر کیا ہے، وہ ان کی تاریخی بصیرت، معروضیت، تحقیقی کاوشوں اور حساس ملی شعور کا شاہکار ہے۔ انھوں نے تاریخی ماخذ کو بڑی گہرائی سے کھنگالا ہے بہت سے مروجہ نظریات کو تنقید و تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ محض بدگمانی اور تنگ نظری نے ہمارے تاریخی مطلع نظر کو کس طرح غبار آلود کر دیا ہے۔ انھوں نے تاریخ کے پس منظر میں اس عہد کی اہم شخصیتوں کو دیکھا ہے۔ ان تمام حالات و عوامل پر نظر رکھی ہے جو انسان کی فکر کو عمل کا جامہ پہناتے ہیں اور جن کے صحیح تجزیہ پر تاریخی مطلع نظر کی صلابت و سچائی کا انحصار ہے۔

کچھ عرصہ کی بات ہے۔ کشاف کے مشہور مصنف علامہ جار اللہ زمخشریؒ کی "المواقفۃ بین اھل البیت والصحابۃ" کا مطالعہ کر رہا تھا اس کے بعض حصوں، بالخصوص بالکل ابتدائی عبارت نے کچھ الجھنیں پیدا کر دی تھیں، جو ذہن کے کسی گوشہ میں چلی آتی تھیں۔ "المرتضیٰ" نے ان تمام شبہات کو اس انداز سے دور کر دیا کہ ذہن میں علامہ زمخشری کے بیانات کی حقیقت روشن ہو گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ سے حضرت علیؓ کے تعلقات کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کے جہیز کی تیاری میں حضرت ابو بکرؓ نے مدد کی تھی، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ پر کس قدر اعتماد رکھتے تھے کہ فرماتے تھے "اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا"۔ حضرت عمرؓ بیت المقدس کے سفر پر گئے تو حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ یہ اور ایسے بہت سے واقعات ذہن کو اس طرح متاثر کرتے جاتے ہیں کہ آخر میں ان تمام روایتوں کا بے حقیقت ہونا ثابت ہو جاتا ہے جن میں اکثر حضرت علیؓ کے خلفاء ثلاثہ سے تعلقات کا نقشہ کھینچا جاتا ہے۔

فاضل مصنف نے تاریخی ماخذ کی تلاش و جستجو میں بڑی محنت کی ہے اور اس مرقع کا رنگ دو مختلف جگہوں سے حاصل کیا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض ایسے واقعات جن کو یا تو مصنفین نظر انداز کر دیتے ہیں یا۔ اگر بیان کرتے ہیں تو کوئی خاص نتائج اخذ نہیں کر پاتے۔ مولانا نے ان سے تفسیر و تعبیر کا وہ کام لیا ہے جس سے تاریخی مطلع نظر میں جان پڑ گئی ہے۔ حقیقتاً تاریخ کچا مواد ہے، اس سے کوئی مرقع تیار کرنے کے لئے بصیرت اور ژرف نگاہی کے ساتھ دل کی رہبری بھی ضروری ہے ایک بار "المرتضیٰ" ہاتھ میں آ جائے تو جب تک ختم نہ ہو جائے ہاتھ سے نہیں چھٹتی۔ اس میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی پوری تصویر پیدائش سے شہادت تک آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ بعض واقعات کا سبق آموز انداز بیان دامن دل کو پکڑ لیتا ہے۔

حضرت علیؓ کو حضورؐ کا اپنے بستر پر لٹانا، حضرت بی بی فاطمہؓ کے نکاح اور رسولؐ کا ارشاد کہ اہل صفہ کو چھوڑ کر تمہاری مدد نہیں کی جا سکتی، جنگ اُحد میں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کا چہرہ اقدس سے خون صاف کرنا، اور ایسے نہ معلوم کتنے اور واقعات ہیں جن کو مصنف کے قلم نے بڑا دلکش دلآویز اور مؤثر بنا دیا ہے۔ یقین ہے کہ اس کتاب کو ہمارے تاریخی لٹریچر میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہوگی۔ اس سے غلط فہمیاں دور ہوں گی۔ اور صحیح تاریخی نقطۂ نگاہ پیدا ہوگا۔

مولانا علی میاں نے جس عالمانہ اور مؤثر انداز میں "سیرت علی مرتضیٰ" پر روشنی ڈالی ہے۔ اس پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے لئے بڑا وقت درکار ہے۔ اس وقت عرفی کے اس شعر پر اس گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ ؎

زبان زنکتہ فرو ماند و راز سخن باقیست
بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست

تصحیح

"تعمیر حیات" کا شمارہ ۲۵ر اگست ۱۹۸۸ء صفحہ (۱۳) پر "محبت فاتح عالم" کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا ہے، مضمون کے اصل پر مضمون نگار کا نام نہ ہونے کی وجہ سے غلطی سے شمس الدین ندوی لکھ گیا ہے وہ مضمون کبیر الدین مظاہری کا ہے۔ لہٰذا اسی نام سے پڑھا جائے۔

(ادارہ)

★ تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں ★
[illegible]

علامہ اقبالؒ

ایک پر اثر تقریب

معید اشرف ندوی (نمائندہ تعمیر حیات)

۲۰ر نومبر ۱۹۸۸ء بروز اتوار گنگا پرشاد میموریل ہال امین آباد لکھنؤ میں حسب پروگرام آل انڈیا مسلم انٹلکچول فورم کے زیر اہتمام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی شاہکار تصنیف "المرتضیٰ" کے رسم اجراء کی تقریب مولانا منت اللہ رحمانی - امیر شریعت بہار و اڑیسہ کے ہاتھوں انجام پائی۔

جلسہ کا آغاز ۹½ بجے دن میں حافظ محمد احسان ندوی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، اور تقریب کا افتتاح مرکزی وزیر ماحولیات جناب ضیاء الرحمٰن انصاری نے کیا۔ انھوں نے کہا کہ ایسے عظیم المرتبت دانشوروں کے طبقہ سے خطاب کرنا میرے لئے باعث افتخار ہے۔ اور دانشوروں کے اس ہجوم کو دیکھ کر میں پر امید ہوں کہ یہ فورم ان تقاضوں کو پورا کرے گا جو اعلیٰ ترین انسانی قدروں کو اجاگر کرنے اور انسانوں کو اعلیٰ انسانی اقدار سے روشناس کرانے کے منتظر ہیں۔

موصوف نے حضرت مولانا مدظلہٗ کو ان عظیم المرتبت شخصیتوں میں شمار کیا جو محتاج تعارف نہیں مولانا مدظلہٗ کا مقابلہ مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت سے کیا، اور کہا اگر مولانا نے قدم رکھ کر سیاسی زندگی میں قدم رکھا ہوتا تو آج وہ اتنے ہی اعلیٰ پائے کے سیاست داں ہوتے جتنا کہ مولانا آزاد تھے۔

مگر مولانا مدظلہٗ اپنے قلم سے جو خدمت انجام دے رہے ہیں وہ آج ہی نہیں بلکہ آنے والی نسل کے لئے مثالی بنے گی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی تازہ ترین تصنیف مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ کمیت و کیفیت دونوں اعتبار سے ممتاز ہے۔ اس کی بنیاد ۱۹۵۹ء میں رکھی گئی تھی اس مدت میں یہ مجلس اردو، عربی، انگریزی، ہندی اور بنگالی میں ۱۷۰ کتابیں اور کتابچے شائع کر چکی ہے جس کی عالمگیر پیمانہ پر اشاعت ہوئی یہ اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ ہے جس میں علمی و دینی ضروریات کا یکساں لحاظ رکھا گیا ہے اور جو اسلام کو ایک طرز فکر اور نظام حیات کے طور پر پیش کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ وہ ایک ادارہ سے زیادہ علمی تحریک ہے اس اکاڈمی کا پہلا کتابچہ "نیا طوفان اور اسی کا مقابلہ" سامنے آیا اور اب "المرتضیٰ" بھی اسی سلسلے کی تازہ ترین کڑی ہے۔ مولانا منت اللہ صاحب رحمانی نے اس تقریب میں کتاب کی ایک جلد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کو پیش کی اس موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے کردار کا ایک اجمالی خاکہ بھی پیش کیا۔ اور کہا کہ مولانا علی میاں صاحب نے ساڑھے تیرہ سو برس سے پڑی ہوئی گرد کو جھاڑ کر اور تاریخ کے انبار میں دبے ہوئے اوراق کو نکال کر یہ بتلایا ہے کہ خلفاء ثلاثہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں سیدنا علی کرم اللہ وجہ کی حیثیت مشیر حکومت اور پالیسی بنانے والے کی تھی، اس کے علاوہ حضرت علیؓ کے دور خلافت کے متعدد واقعات پر روشنی ڈالی اور چند واقعات بھی سنائے۔

اس موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "المرتضیٰ" کے مقدمہ سے چند اوراق پڑھ کر سنائے جس میں کتاب کی وجہ تصنیف پر روشنی ڈالی گئی تھی۔

مولانا مدظلہ نے فرمایا اس سلسلے میں مجھ سے یہ ایک غلطی ہو گئی ہے (جو انشاء اللہ آئندہ نہیں ہوگی) کہ رسم اجراء میں موضوع تصنیف سے ہٹ کر صاحب تصنیف کا بھی ذکر آئے گا اور اتنا بڑا بعد مکانی و زمانی طے کر کے بات مجھ تک پہونچے گی میں آل انڈیا مسلم انٹلکچول فورم کے بیحد اصرار اور ضد کے آگے مجبور ہو گیا تھا۔ ورنہ میں اس تقریب کی اجازت نہ دیتا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا مدظلہٗ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں اور اس قسم کی تقریبیں اکثر شخصیتوں کو گمنامی کے پردوں سے نکالنے کے لئے کی جاتی ہیں مگر مولانا مدظلہٗ کی شخصیت اس شہرت و نام و نمود کی تقریب سے بہت بلند ہے مولانا کی ذات عالمگیر شہرت کی حامل ہے عرب و عجم تک ان کا شہرہ ہے اور نہ صرف شہرہ ہے بلکہ وہ مقبولیت و محبوبیت حاصل ہے جو کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

اپنے اس خیال کی تائید میں عرب کے مشہور عالم دین و ادیب علی طنطاوی کے وہ جملے جو انھوں نے مولانا مدظلہٗ کی کتاب "کاروان مدینہ" کے مقدمے میں لکھا ہے نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں وہ لکھتے ہیں:

"آپ نے مقدمہ کی فرمائش کی ہے مجھے اس سے معاف رکھئے، کیونکہ اس کی نہ آپ کو ضرورت ہے اور نہ اس کتاب (کاروان مدینہ) کو، کتابوں کے مقدمے کی وہی اہمیت ہوتی ہے جو تاجر کے لئے دلال یا ایجنٹ کی، نئے تاجر کو دلال کی اس لئے تلاش ہوتی ہے کہ وہ اپنے غیر معروف سامان کی شہرت بڑھائے، جب خود خریدار تاجر کو ایجنٹ سے زیادہ جانتے ہوں، اور اس کا سامان خریدنے کے اس سے زیادہ متمنی ہوں جتنا تاجر اس کے فروخت کرنے کا تو ایسی حالت میں یہ ایجنٹ کیا کام دے سکتا ہے۔ [1]"

یہ تقریب حضرت مولانا مدظلہٗ کے لئے نہیں بلکہ انٹلکچول فورم کیلئے یقیناً باعث اعزاز تھی۔ اور اس کتاب کی رسم اجراء کی تقریب کی ضرورت انٹلکچول فورم نے اس لئے محسوس کی کہ یہ کتاب ایک ایسی ذات گرامی کے بارے میں ہے کہ بڑے بڑے اہل قلم اور دانشوروں کے قلم بھی ذرا سی لغزش سے افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

خود حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ نے یہ امید ظاہر کی کہ اس کتاب کی اشاعت اور مطالعہ کے بعد غلط فہمیوں کے بادل چھٹ جائیں گے اور

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

[1] مقدمہ "کاروان مدینہ"

پڑھنے کے بعد خود ہی سمجھ لو گے یہ کتاب

"شاہکار تصنیف "المرتضیٰ" کی رسم اجراء کے سعید و پرمسرت موقع پر مصنف کتاب مخدومی و محترمی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی خدمت میں بطور ہدیہ تہنیت و سپاس نامہ منظوم خراج عقیدت پیش کیا گیا جو ہدیۂ قارئین ہے۔"

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

اظہار بندگی کی ضرورت ہے دوستو
بعد از خدا بزرگ رسولِ کرم ہیں
"المرتضیٰ" کے لکھنے میں پنہاں ہے یہی رمز
سید ابوالحسن کی یہ تصنیف بے مثال
"المرتضیٰ" کے لکھنے پہ آمادہ ہو گئے
ہیں سیرت علیؓ کے مصنف علی میاں
سید ہیں اور ہیں حسنی خانداں سے
معجز نگار خامۂ سادات ذی شرف
کہتے ہیں اہل علم و قلم اس کے باب میں
پڑھنے کے بعد خود ہی سمجھ لو گے یہ کتاب
میری دعا یہ ہے کہ ہوں ماجور بوالحسن

حمد خدا دلیل شرافت ہے دوستو
ایمان اپنا عین حقیقت ہے دوستو
ذکر علیؓ بھی ایک سعادت ہے دوستو
شایانِ شان شاہ ولایت ہے دوستو
یہ میری عرضداشت کی قسمت ہے دوستو
تحریر میں ادب کی جلالت ہے دوستو
ان کی رگوں میں خون سیادت ہے دوستو
بیباک ہر جگہ بصراحت ہے دوستو
"المرتضیٰ" بیان حقیقت ہے دوستو
اس دور کی عظیم ضرورت ہے دوستو
مولا علیؓ سے ان کو محبت ہے دوستو

میں ہوں طفیل حلقہ بگوش علی میاں
مجھ کو بھی ان سے عشق و ارادت ہے دوستو

بقیہ: صفحہ ۲ کا

خونریزی ان کا محبوب مشغلہ ہے، لیکن تعلیم یافتہ مسلمان اور اہل ثروت عرب بجائے اس کے کہ ان کی اس غلط فہمی کو دور کریں، مغربی صحافت کے ان پروپیگنڈوں کو بے بنیاد ثابت کریں۔ وہ مغربی مفکرین اور مغربی اہل قلم کے خیالات و افکار پر فریفتہ ہوتے رہے ہیں۔ وہ انھیں اپنا اتالیق اور مرشد تسلیم کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان کو اخلاص اور انسانیت کا کامل نمونہ تصور کرتے ہیں۔ ایک طرف یورپ مسلمانوں کی تذلیل و توہین میں کوئی کسر باقی نہیں رکھ رہا ہے اور دوسری طرف یہ سادہ لوح مسلمان یورپ کی منڈیوں میں اپنے پیسے بے دریغ صرف کر کے اس کی معیشت کو مستحکم کر رہے ہیں۔ چھٹیوں میں بڑی تعداد میں عرب نوجوان یورپ کے شہروں کا رخ کرتے ہیں اور اپنے ملک کا پیسہ پانی کی طرح وہاں بہاتے ہیں۔ برطانیہ اور بہت سے مغربی ممالک کی اقتصادی ترقی میں ان زائرین نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ حالانکہ اسی مغرب نے اپنی سامراجی سیاست کی وجہ سے عربوں کے امن و سکون کو چھین لیا ہے۔ عالم عربی کے قلب میں یہودی ریاست قائم کر کے دائمی جنگ و جدال کا بیج بو دیا ہے۔ اسی طرح برصغیر کے غیر مسلموں کے ذہنوں کو اسلام کے خلاف خوب مسموم کیا جا چکا ہے ان کو یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ مسلمان گندے اور ناپاک ہوتے ہیں عورتوں کے حقوق پامال کرتے ہیں اور ان پر ظلم کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی اس بات کو سمجھتا ہے کہ نجاست اور طہارت کے سلسلہ میں دونوں کے طرز عمل میں کیا فرق ہے۔ عورتوں کے ساتھ کس کے یہاں کیا سلوک ہوتا ہے؟ اس ذہنیت کے بدلنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ مسلمانوں نے ہندوستان پر سات صدی تک حکومت کی لیکن غیر مسلم ان سات صدیوں کے بارے میں کیا جانتے ہیں، یہی کہ یہ دور قتل و غارتگری اور ظلم و استبداد کا دور ہے جس میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو ڈھایا گیا۔ اور ان پر مسجد تعمیر کی گئی، اس غلط فہمی اور بدگمانی کو ختم کرنے کی ذمہ داری کس کی ہے؟ کیا تعلیم یافتہ مسلمان اس کے مکلف نہیں ہیں کہ غیر مسلموں کے ذہن سے ان شکوک و شبہات کو دور کریں، پوری دنیا میں اسلام دشمن صحافت، اسلام کے خلاف جو زہر اگل رہی ہے اس کا تریاق فراہم کریں۔ ان کے پروپیگنڈوں کو بے بنیاد ثابت کریں۔ لیکن افسوس کہ اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کا یہ اہم مورچہ اسلام کے بلند ہمت سپاہیوں سے خالی ہے۔

بقیہ: ہندو نعت گو شعراء

سلام اس پہ کہ جس نے ظلم سہہ سہہ کر دعائیں دیں
وہ جس نے کھائے پتھر گالیاں، اس پر دعائیں دیں

اس سلام میں جگن ناتھ آزاد کے خراج عقیدت کا اندازہ جس قدر پرخلوص ہے اس سے کہیں زیادہ ان کے صبر و قرار کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ہر شعر کے آخری مصرعہ پر آپ غور کریں تو اندازہ ہو جائے گا کہ آزاد نے بیشک اردو کی نعتیہ شاعری میں کمال کر دکھایا ہے۔

لالہ لال چند فلک۔ آنند نرائن ملا۔ گوپال متل۔ نریش کمار شاد۔ درشن سنگھ دگل۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے کلام، اور منشی مہاراج بہادر برق کے مجموعۂ کلام "مطلع انوار" میں نعت کے زندہ جاوید نمونے موجود ہیں۔ اپنے اس ادھورے مضمون کو دکن کے ایک اہم نعت گو اور حیدرآباد کے آخری نظام میر عثمان علی خاں کے وزیراعظم مہاراجہ کرشن پرشاد شاد کی نعتوں کے چند اشعار سے ختم کرنے کی اجازت چاہتا ہوں:

کافر نہ کہو شاد کو ہے عارف و صوفی
شیدائے محمدؐ ہے وہ شیدائے مدینہ

معراج میں حضورؐ جو مدعوائے خدا تھے
خلوت تھی کوئی اور وہاں میہمان تھا

لازم ہے مجھ کو نغمہ سنجی
رکھتا ہے یہ آرزو جی
ممدوح کی مدح لکھ رہا ہوں
مداح حبیب مصطفےٰ ہوں

کشن پرشاد شاد نے واضح طور پر خود کو حبیب مصطفےٰ کا مداح قرار دیا ہے اسی طرح لاتعداد ہندو شعراء نے اپنے آپ کو مداح رسولؐ کہلوانے پر فخر محسوس کیا ہے۔ انشاء اللہ کسی اور محفل میں اسکا تذکرہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔ سردست نمونتاً چند اشعار سنتے چلئے:

پنڈت ہری چند اختر

کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عربؐ نے آدمی کا بول بالا کر دیا

سالک رام سالک

کیوں نہ دل و جاں سے مجھے بھائے مدینہ
آنکھوں میں بسا ہے مرے مولائے مدینہ
سرمے کی طرح آنکھ میں سالک میں لگا لوں
ہاتھ آئے جو خاکِ درِ مولائے مدینہ

کالی داس گپتا رضا

دوست اور دشمن پہ یکساں مہرباں تو ہی تو ہے
ریگزار زیست میں جوئے رواں تو ہی تو ہے
بیقراروں کو ہے تیرا آسرا بعد خدا
روح دل تو ہی تو ہے تسکین جاں تو ہی تو ہے

گرسرن لال ادیب لکھنوی

آؤ ہم سب مل کر بیٹھیں پیار کی باتیں کریں
سرزمین یثرب و سرکار کی باتیں کریں
پریم کی گنگا بہائی جس نے ریگستان میں
روح تازہ پھونک دی مٹتے ہوئے ایمان میں

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

تکمیل معرفت ہے محبت رسولؐ کی
ہے بندگی خدا کی اطاعت رسولؐ کی
اتنی سی آرزو ہے بس اے رب دو جہاں
دل میں رہے سحر کے محبت رسولؐ کی

بقیہ
ایک پراثر تقریب

ہر کلمہ گو دوسرے کلمہ گو کے ساتھ اس طرح پیش آئے گا جس طرح صحابہ کرامؓ بالخصوص خلفائے راشدین باہم پیش آیا کرتے تھے دوسری بات یہ تھی کہ حسن اتفاق کہ مصنف کا سلسلۂ نسب اسی ذات گرامی سے جا ملتا ہے۔ لہٰذا یہ امر بھی تقریب رسم اجراء کی دلچسپی سے خالی نہ تھا۔

تقریباً چار گھنٹے تک جاری رہنے والی اس تقریب میں ملک کے ممتاز دانشوروں نے مولانا کی شخصیت اور ان کی تصنیف "المرتضیٰ" کی علمی اور تاریخی اہمیت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اس تقریب میں جن قابل ذکر شخصیتوں نے کتاب "المرتضیٰ" کی اہمیت، خصوصیت، اور حضرت مولانا کے اسلوب نگارش اور انداز تصنیف کے موضوعات پر اظہار کیا وہ ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی۔ علی گڈھ۔ پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی ڈائرکٹر ذاکر حسین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، جامعہ ملیہ، دہلی۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، سابق صدر شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی۔ مولانا عبدالکریم پاریکھ اور مولانا ضیاء الدین اصلاحی ناظم دارالمصنفین اعظم گڈھ، اردو کے بزرگ شاعر جناب کلیم عاجز نے اس موقع کے لئے خاص طور پر کہی گئی اپنی تازہ نظم سے حاضرین کو محظوظ کیا اسی طرح جناب ڈاکٹر طفیل احمد مدنی استاذ ادب عربی، الٰہ آباد یونیورسٹی نے حضرت علیؓ کی منقبت میں ایک قصیدہ پیش کیا

حاضرین میں حیدرآباد سے لے کر کشمیر تک کی اہم یونیورسٹیوں کے صدر شعبہ جات، پروفیسر اور ریڈر حضرات اور جنوبی و شمالی ہند کے متعدد عربی مدارس کے اساتذہ اور تحقیقی و تصنیفی اداروں کے نمائندے موجود تھے۔ عام طور پر لوگوں کا تاثر یہ تھا کہ لکھنؤ نے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مثقفین کا اتنا بڑا مجمع ایک ساتھ نہیں دیکھا ہوگا مولانا نذر الحفیظ نے المرتضیٰ کے مصنف (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) کا ایک پرانا مقالہ پڑھ کر سنایا جو فاران میں اپریل ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا تھا جو حضرات اس تقریب میں شرکت نہیں کر سکے تھے انھوں نے اپنے تاثرات و پیغامات روانہ کئے تھے ان کو پڑھ کر سنایا گیا۔ فورم کے صدر پروفیسر محمد رضوان علوی نے خطبہ استقبالیہ پڑھا اور جنرل سکریٹری ڈاکٹر درویش نگرامی ندوی نے فورم کے بارے میں ایک رپورٹ پیش کی اور اس تقریب کی غرض اور اہمیت بیان کی ایک طالب عالم ہارون نے مولانا ظفر علی خاں کی نظم جو حضرت علیؓ کے ایک واقعہ سے متعلق تھی سنائی۔ مولانا نور عظیم ندوی نے جلسہ کی نظامت کی آخر میں ڈاکٹر راشد صاحب ندوی نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا۔

بقیہ: عالم اسلام

کہ اگرچہ عراق کی تجاویز بات چیت سے غیر متعلق ہیں لیکن اس سے ان کے موقف میں پیش رفت کی نمائندگی ہوتی ہے۔ بات چیت کے آغاز سے عراق کی اس اصرار کی بنا پر تعطل پیدا ہو گیا کہ ایران جنوبی سرحد کے ساتھ آبنائے شط العرب جنگ سے پہلے کی حالت عمل میں لائی جائے جو بات چیت کی ایک شرط اول ہے ایران نے اس مطالبہ کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ یہ ایک ضمنی مسئلہ ہے جس کو بعد میں طے کیا جا سکتا ہے

اردو کے ہندو نعت گو شعراء

از: انیس چشتی

زیر نظر مقالہ "رابطۂ ادب اسلامی" کی کانفرنس منعقدہ ۷ تا ۹ اکتوبر ۱۹۸۸ء بمقام اورنگ آباد میں پڑھا گیا تھا۔ اس کانفرنس میں ملک اور بیرونِ ملک کے چیدہ چیدہ دانشور شریک تھے اصل مقالہ طویل ہے۔ یہاں اس کے چند اقتباسات بغرضِ سعادت وعقیدت ہدیۂ ناظرین ہیں۔ اس مذاکرۂ علمی کا عنوان ہی "نعتیہ شاعری تاریخی وعلمی جائزہ تھا" ———— ادارہ

میری اس رائے سے دانشورانِ محفل شاید متفق ہوں کہ ہیئت Form سے قطع نظر تمام اصنافِ سخن میں نعت مشکل ترین صنفِ سخن ہے بظاہر نعت کہنا شاعروں کے لئے مشکل کام نہیں لیکن اس کے آداب ولوازم کو نبھانا مشکل ترین امر ہے۔ غزل اپنے معیار پر ہے تو غزل ہے معیار سے بلند ہے تب بھی غزل ہے، معیار سے پست ہے تب بھی غزل ہے۔ ہم صاف کہہ سکتے ہیں کہ یہ غالب کی غزل ہے یہ میر وسودا کی ہے۔ یہ آتش وداغ کی ہیں یہ سراپا والی، معاملہ بندی والی، اپنے آپ کو اس زمین سے قریب رکھنے والی جس پر انسان پرکھتا ہے، جب ایسی کوئی چیز ادب میں پائیں تو اسے مومن کی غزل کہئے یہ صوفیانہ، عاشقانہ، باغیانہ، غزل ختم نہیں ہوئی۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اردو شاعری میں نظم ہو یا غزل، قصیدہ ہو یا مرثیہ، مثنوی ہو یا رباعی یا آج کے جدید ہیئتی تجربوں والی شاعری، یہاں تک کہ حمد ومنقبت بھی، اس میں وہ نزاکتیں (اور خاص طور پر اسلامی عقائد سے متعلق) درپیش نہیں ہیں جو مرحلہ نعت گوئی میں ملحوظ رکھنی پڑتی ہیں۔ آپ سے ذرا سی غفلت ہو جائے اور مدح میں وارفتہ حال ہو کر کچھ زیادہ کہہ بیٹھیں تو معاملہ کفر وشرک کی حدود کو جالے۔ اس سے بچنے کی سعی میں آپ نے ذرا وسعت اختیار کی تو معاملہ بے قابو ہو کر بے ادبی اور گستاخی کے زمرے میں جا پہنچے گا اور سخن گر ان تمام حدودِ نعت کا پاس ولحاظ رکھتا ہوا اصل نعت گوئی پر پہونچتا ہے تو بات آمد کی بجائے آورد بن جاتی ہے۔ اس تمہید کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر آپ زیر نظر مقالہ ملاحظہ فرمائیں تو شاید آپ کو میری بات سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ہندوستان کی سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسلامی روایات کا پاس ولحاظ رکھنے والے افراد نے یہاں صرف مذہب اسلام کی آبیاری ہی نہیں کی بلکہ یہاں کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں میں اسلام کے رسوم ورواج کے بارے میں ایسا تأثر دیا کہ اس ملک میں بسنے والے دیگر طبقات سے متعلق افراد نے بھی ایک سچے محسنِ انسانیت کی طرزِ زندگی اور اخلاق وعادات کو اپنی زندگی کا خاصہ بنایا اور جب شعر گوئی کی طرف رغبت اختیار کی تو مدحِ رسولؐ کے ایسے جوہر دکھائے کہ بے ساختہ ان کی وابستگی اور نسبت پرستی پر داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اقبالؒ کے مطابق میرِ عربؐ کو جہاں سے ٹھنڈی ہوا آئی تھی اس سرزمین اور اس وطن میں اردو زبان کی شاعری سے لگاؤ ظاہر کرنے والوں میں جہاں مسلمان پیش پیش رہے ہیں۔ ہندوؤں نے بھی علم وادب کے ایسے جوہر دکھائے کہ ہر پڑھنے والا جھوم جھوم اٹھتا ہے۔

حضرات! میرے مقالے کا موضوع ہی "اردو کے ہندو نعت گو شعراء" ہے اگر موضوع کو احاطۂ تحریر میں لانے سے پہلے صرف غیر مسلم شعراء کے ناموں کی فہرست تیار کی جائے تو یقین مانئے کہ ہندو نعت گو شعراء کے ناموں کی ایک اچھی خاصی کتاب مرتب ہو جائے گی، جنھوں نے اُمّی لقبؐ نبیٔ رحمتؐ، سرورِ عالمؐ اور شمس الضحیٰؐ بدر الدجیٰؐ سے اپنی والہانہ وابستگی کو ایسے اشعار میں پرو دیا ہے کہ ان نعتوں پر امتِ محمدیؐ سے وابستہ افراد بھی انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

یہ وقت ایسا نہیں کہ للا لچھمی نرائن شفیق، راجیشور راؤ اصغر، مہاراجہ چندولال شاداں، مہاراجہ کشن پرشاد شاد، منوہر لعل بہار، راجہ لعل راجہ لکھن لعل لکھن، رگھوبیندر راؤ جذب، بہاری لعل رمز، اور ایسے ہی بے شمار دکنی نعت گو شعراء کے نعتیہ کلام کو پیش کر کے ان کی مدح سرائی کی جائے اور نہ ہی یہ ایسا موقع ہے کہ جگدیش مہتہ درد، فراق گورکھپوری، تلوک چند محروم، جگن ناتھ آزاد، رتن ناتھ سرشار، دیا شنکر نسیم، پنڈت برج نرائن چکبست، دیا شنکر نگم، جیسے شمالی ہند کے نعت گو شعراء کے نعتیہ کلام کے محاسن کی نشاندہی کی جائے۔ اس موضوع میں اس قدر وسعت ہے کہ اس پر ایک بھرپور مقالہ لکھا جا سکتا ہے اور ان کے تمام عناصر اور عوامل پر بحث کی جا سکتی ہے اردو کے بیشتر نعت گو ہندو شعراء کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے عقیدت کا وہ رویہ اختیار کیا جو نعت میں غلو اور مبالغہ کی حدود کو چھو لیتا ہے۔

رسولِ مقبولؐ کو ایک محبوب کی طرح چاہنا اور ان تمام جذبات کی عکاسی جو ایک محبوب سے منسلک ہیں۔ اسی طرح نعت کے موقع پر مدحِ رسولؐ کو خدائی صفات سے وابستہ کر دینا، ایسے ہی بے شمار مسائل نعت گو ہندو شعراء کے کلام میں دکھائی دیں گے۔ جن کی طرف نشاندہی بھی طویل وقت اور وسیع مقالہ کی متقاضی ہے میں صرف اس قدر عرض کرتا چلوں کہ نعت گو ہندو شعراء نے اپنے نعتیہ کلام کے ذریعہ ایسا ماحول ضرور پیدا کر دیا جس کی وجہ سے رسولِ عربیؐ سے رغبت کا جذبہ غیر اسلامی افراد میں عام ہو گیا۔

اپنے اس مضمون میں بجائے ہندو نعت گو شعراء کے تفصیلی تعارف اور ان کے کلام کے محاسن اور معائب کی نشاندہی کے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کے کلام کا مختصر سا نمونہ پیش کیا جائے تاکہ ناظرین کو نعت گو ہندو شعراء کے معیارِ کلام کا اندازہ ہو سکے یہ ایک عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ اردو کے غیر مسلم ہندو شعراء نے مسلمان شعراء کی طرح تبرک کے طور پر اپنے مجموعۂ کلام میں "حمد" کے بعد نعت کو بھی جگہ دی ہے۔ جتنے ہندو شعراء کے نعتیہ کلام شائع ہوئے ہیں اگر ان کی نعتوں کے چند نمونے بھی پیش کئے جائیں تو مضمون کئی صفحات پر پھیل جائے گا۔ نعت سے رغبت رکھنے والے قارئین کی دلچسپی کے لئے چند شعراء کے نعتیہ کلام کے نمونے پیش ہیں۔

جگدیش مہتہ درد دہلی کے متوطن ہیں وہ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے رسولِ عالم کے حضور عشق میں ڈوب کر جو نذرانۂ عقیدت پیش کیا وہ ملاحظہ فرمائیں

یا شاہِ عربؐ، غم سے عجب حال ہوا ہے
ہے مرنے میں کچھ لطف، نہ جینے میں مزا ہے
اور درد عجب ہے
بیکل ہوں جدائی سے بیتاب مری جان
بے علم ہو کیوں حال سے، یہ رنج سوا ہے
اور رنج وتعب ہے
پیدل ہی میں گھبرا کے چلا آؤں مدینہ
پر تابِ تواں مجھ میں کہاں ایسا رہا ہے
اور راہ صعب ہے
خادم ہوں میں آپؐ کا تاخیر یہ کیسی
لِلّٰہ بتا دو مجھے کیا میری خطا ہے
کیا اس کا سبب ہے

جگدیش مہتہ درد کی اس طویل نعت کے چند اشعار سے خود اندازہ ہو جاتا ہے کہ اردو کے نعت گو ہندو شعراء نے اپنے کلام میں کس رویہ کو اختیار کیا ہے اس مضمون میں دانستہ طور پر ایسے شعراء کا کلام نہیں پیش کیا جا رہا ہے جنھیں ہم نے قابلِ اعتنا نہیں سمجھا۔ نامور نعت گو ہندو شعراء سے اردو طبقہ واقفیت رکھتا ہے۔ خود جگن ناتھ آزاد کا "سلام" اردو نعت گوئی میں ایک خوشگوار اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس میں انھوں نے فخرِ دوراںؐ اور سرورِ کونینؐ کی خدمت میں سلام گذارا ہے۔ اگر نعتیہ کلام میں سلام کے موقف کی نشاندہی ہو جائے تو شاید اس موضوع پر کچھ لکھا جا سکے۔ جگن ناتھ آزاد کہتے ہیں:

سلام اس ذاتِ اقدس پر سلام اس فخرِ دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے انساں پر
سلام اس پر جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا
رہا جو بیکسوں کا آسرا مشفق غریبوں کا
سلام اس پر جلائی شمعِ عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لئے بیتاب سجدوں کو جبینوں میں

(بقیہ: صـ ۹ پر)

اُن مردوں کو کون روک سکتا ہے؟

از چیتنا — ترجمہ — جناب محی الدین صاحب

۲۵ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو مسماۃ پاپابائی ساکن موضع جھانسی، تعلقہ مان ضلع ستارہ ریاست مہاراشٹر کو اس کے شوہر نے قتل کر دیا کیونکہ اس نے اپنے شوہر کے خلاف گذارہ کا مقدمہ دائر کر رکھا تھا۔

پاپابائی کی دو لڑکیاں تھیں۔ لڑکے کی تمنا میں اس کے شوہر نے دوسری شادی کر لی تھی۔ پاپابائی اپنے شوہر کی دوسری بیوی کے ساتھ گذر بسر کرنے کے لئے رضامند تھی، لیکن شوہر کی مار پیٹ نے اسے نان نفقہ کا مقدمہ دائر کرنے پر مجبور کر دیا۔ عدالت نے اس کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے اس کے شوہر کو ۱۵۰ روپیہ ماہانہ اور گذشتہ سات برسوں کے لئے جب سے مقدمہ زیر سماعت تھا، مبلغ سات ہزار روپیہ ادا کرنے کا حکم صادر کیا عدالت کا فیصلہ ہونے کے بیسویں دن پاپابائی کا قتل ہو گیا۔ رسالہ ..... کے مراسلات کے کالم میں اس قتل کا تذکرہ کیا گیا تھا جھانسی اور قریب کے دوسرے مواضعات میں لوگوں کے درمیان اور خاص طور پر ان عورتوں میں جنہوں نے اپنے شوہروں کے خلاف گذارہ کے مقدمات دائر کر رکھے تھے یہ قتل موضوع بحث بن گیا کچھ عورتوں نے پولیس پر بھی دباؤ ڈالا پاپابائی کے شوہر کے خلاف کاروائی کی جائے چنانچہ اس وقت وہ دھوئے جیل میں نظربند ہے

تعلقہ مان میں شیتکاری سنگٹھن فلاح عامہ کا کام کر رہا ہے۔ تعلقہ کی سب سے بڑی بازار موضع مہیشواڑ میں لگتی ہے چنانچہ بازار کے دن مہیشواڑ جانے والے لوگ اکثر شیتکاری سنگٹھن کے دفتر میں گپ شپ کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ لوگوں نے اس موضوع پر بھی تبادلۂ خیال کیا۔

تقریباً تمام عورتیں اس بات پر متفق تھیں کہ اگر پاپابائی کا شوہر اس کے ساتھ مار پیٹ نہ کرتا تو وہ عدالت میں مقدمہ نہ دائر کرتی۔ ان کا خیال تھا کہ پاپابائی اپنے شوہر کی دوسری بیوی کے ساتھ گذر بسر کرنے پر راضی تھی لیکن روز روز کی مار پیٹ اس کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ ان عورتوں کی نظر میں پاپابائی کے شوہر کی دوسری شادی اتنی قابلِ اعتراض نہیں تھی جتنی اسکا پاپابائی کے ساتھ برا سلوک۔ مجھے اس پر تعجب ہوا۔ یہ تمام عورتیں دوسری شادی کو کیوں اہمیت نہیں دے رہی تھیں۔

جب میں اس علاقہ میں آئی تو میں نے دیکھا کہ یہاں اکثر مردوں کی دو دو بیویاں ہیں۔ میں نے سوچا کہ عورتوں کے حقوق کے بارے میں گفتگو کریں لیکن جو عورتیں مجھے ملیں ان میں سے پانچ کے شوہروں نے دوسری شادی کر رکھی تھی۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اسی موضوع پر گفتگو کا آغاز کیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تعدد ازدواج کا مسئلہ زمین کی ملکیت سے جڑا ہوا ہے۔ اکثر اوقات کسی شخص کی دوسری شادی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ پہلی بیوی سے اولاد نرینہ نہیں ہوتی، چونکہ صرف لڑکا ہی جائداد کا وارث ہوتا ہے، اور اسی سے نسل ملتی ہے۔ اس لئے اگر کسی کے یہاں پانچ یا چھ سال تک لڑکا نہ پیدا ہو تو دوسری شادی کی بات کرنا شروع کر دیتا ہے۔

یہ بات ان مواضعات میں اتنی عام ہے کہ ایسے مردوں سے لوگ اکثر یہ سوال کرتے رہتے ہیں کہ وہ کب تک وارث کے بغیر رہیں گے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اولادِ نرینہ نہ ہونے کی ساری ذمہ داری صرف عورت کی ہے اور ایسی صورت میں مرد کو دوسری شادی کرنے کا حق حاصل ہے۔

دوسری شادی کو "گندھاروا" شادی کہتے ہیں۔ ایسی شادیاں کسی دھوم دھام اور دعوت کے بغیر ہوتی ہیں لہذا عام طور پر غریب والدین جو اپنی لڑکیوں کو جہیز نہیں دے سکتے اس قسم کی شادی کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ انہیں یہ اطمینان ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کی بیٹی اور اس کے شوہر کے درمیان عمر کا کافی فرق ہوتا ہے مگر ان کی لڑکی سے پیدا ہونے والا لڑکا جائداد کا وارث ہوگا۔

دوسری بیوی کو وہ حیثیت نہیں حاصل ہوتی جو عام طور پر پہلی بیوی یا بہو کو حاصل ہوتی ہے بلکہ عوام میں یہ کہاوت مشہور ہو گئی کہ گندھاروا عورت کو ڈانٹ پھٹکار کے علاوہ اور کسی شے کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔

ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں جنمیں دوسری بیوی اپنے ساتھ جہیز بھی لاتی ہے۔ چنانچہ اکثر جہیز کی لالچ بھی دوسری شادی کا سبب بن جاتی ہے۔

گذشتہ زمانہ میں لوگ دونوں بیویوں کے اخراجات برداشت کیا کرتے تھے۔ لیکن اب زیادہ تر پہلی بیوی کو نکال باہر کیا جاتا ہے اس کا آسان ترین طریقہ یہ ہے پہلی بیوی کو اتنا زدوکوب کیا جائے کہ وہ خود ہی گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے

ہیما کی عمر ۲۸ سال ہے۔ سترہ سال کی عمر میں اس کی شادی ہوئی تھی، شادی کے تین برسوں میں اسے حمل نہیں ٹھہرا اسکا شوہر اسے اکثر تسمہ سے پیٹا کرتا تھا۔ اور دوسری شادی کر لینے کی دھمکی بھی دیا کرتا تھا۔ اس نے پولیس میں رپورٹ بھی کی، لیکن اس کے شوہر نے پولیس کو پیسہ دے کر معاملات کو دبوا دیا۔ مار پیٹ سے تنگ آ کر وہ اپنے مائیکے واپس چلی آئی۔ اس نے بتلایا کہ وہ اپنے شوہر کی دوسری بیوی کے ساتھ گذارہ کرنے کے لئے تیار تھی اور اپنے بھائی پر بوجھ بننا نہیں چاہتی تھی، لیکن اس کا شوہر اسے رکھنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس کے شوہر کی دوسری شادی کے وقت نئی بیوی کے والدین صرف اس صورت میں جہیز دینے پر تیار ہوئے تھے کہ وہ پہلی بیوی کو نکال باہر کرے۔

جو عورت اپنے والدین کے گھر واپس آ جاتی ہے اس کے ساتھ مشکل سے ہی کوئی شخص شادی کے لئے تیار ہوتا ہے، اور اگر اس کے لڑکی بھی ہو تب تو یہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ اگر ایسی عورت لاولد ہو تو بھی اس کی دوسری شادی صرف اس صورت میں ممکن ہوتی ہے کہ اسکے والدین دوگنا جہیز دینے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی عورتوں کی اکثریت بالآخر اپنے بھائیوں پر بوجھ بن جاتی ہے جہاں اسکی حیثیت نوکرانی سے زیادہ نہیں ہوتی۔

ہم نے موضع مہیشواڑ کا جائزہ لیا ہے مختلف برادریوں کے لوگ گاؤں کے مختلف حصوں میں آباد ہیں۔ ہم نے ان سے الگ الگ بات چیت کی۔ جن گھروں میں دو بیویاں ایک ساتھ رہتی ہیں ہم ان کے گھروں میں بھی گئے اور ان کے پڑوسیوں سے گفتگو کی۔

مہیشواڑ کی کل آبادی مردم شماری کی رپورٹ میں پچھلے پندرہ برسوں سے چودہ ہزار سات سو کیس دکھائی جاتی رہی ہے۔ حالانکہ اب یہ تین گنی ہو چکی ہے اس گاؤں میں ۱۳ ہزار لوگوں کے نام ووٹ دینے والوں کی فہرست میں درج ہیں۔

دلت ذات کے لوگوں کو چھوڑ کر ہندوؤں کے ہر طبقہ میں دوسری شادی کا رواج ہے 'پسماندہ ذات' کی فہرست میں زراعت پیشہ مرہٹوں کو چھوڑ کر دوسری ذات کے ہندو شامل ہیں۔ کھیتی باڑی کا کام کرنے والے سبھی افراد کے لئے زرعی زمینوں کو بہت اہمیت حاصل ہے، چند خاندانوں کے علاوہ جو زراعت کے بجائے دوسرے پیشے کرتے ہیں۔ تقریباً ہر کنبے کے پاس کچھ نہ کچھ زرعی زمین ہے۔ دلتوں میں مہار ذات کے لوگ زراعت پیشہ ہیں، اور ان کے پاس اپنی زمینیں بھی ہیں۔ لیکن انھیں متنگ اور ڈھور ذات کے لوگوں میں تقریباً ۳۰ فیصدی ہی زمینوں کے مالک ہیں، اس جائزہ سے برہمنوں کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ ان کے کل ۲۰ گھر گاؤں میں ہیں اور اتنی کم تعداد کے جائزہ سے کوئی رائے قائم کرنا درست نہ ہوتا۔

دوسری ذات کے لوگوں کے جائزہ سے معلوم ہوا کہ ان میں تعدد ازدواج کی شرح حسب ذیل ہے۔

۱۔ مرہٹہ	۲۰ فیصد
۲۔ سکھ	۱۰ 〃
۳۔ مادی	۳۰ 〃
۴۔ کوشریا (دنگر)	۱۰ 〃
۵۔ شمپی	۲۰ 〃
۶۔ شنگر	۲۰ 〃
۷۔ دلت	۱ 〃
۸۔ مسلمان	صفر 〃

مہیشواڑ میں مسلمانوں کے ۸۰ سو خاندان آباد ہیں لیکن ان میں سے کسی شخص نے دوسری شادی نہیں کی ہے۔ حالانکہ ملکی قوانین کے تحت انہیں چار شادیاں کرنے کا اختیار حاصل ہے، ہمیں ان میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ملا جسکی دو بیویاں ہوں، مسلمانوں میں مطلقہ عورتوں کی تعداد بھی بہت کم ہے مسلمانوں کے تمام خاندان زراعت پیشہ اور زمینوں کے مالک ہیں، عورتوں کو ترکہ میں زمین ملنے کا حق بھی حاصل ہے لیکن عملاً ایسا ہوتا نہیں۔ البتہ اگر کسی خاندان میں کوئی پوتا بھی وارث نہ ہو تو پوتی کو وراثت میں زمین مل جاتی ہے۔

ایسی جماعتیں جو مسلمانوں پر تعدد ازدواج کا الزام عائد کر کے انہیں بدنام کیا کرتی ہیں انہیں پہلے صحیح صورتحال کا جائزہ لینا چاہئے۔ مسلمانوں کے عائلی قوانین کو ختم کرنے کا مطالبہ کرنے سے پہلے انہیں ہندو قوانین کے خلاف احتجاج کرنا چاہیئے جو شرح کم ہندو خاندانوں

(Hindu Joint Family) کی جائداد میں لڑکیوں کو کوئی حصہ نہیں دیتا.

ہم نے یہ پایا کہ دلت ذات کے لوگوں میں بھی تعدد ازدواج کا رواج نہیں ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ ان کی عورتیں خود کفیل ہوتی ہیں اور ان کا سماجی ڈھانچہ اس قدر جامد نہیں ہے جتنا اونچی ذات کے لوگوں کا۔ ان کے یہاں مطلقہ عورت کے لئے دوسری شادی کرنا مشکل امر نہیں ہے۔ اگر کوئی مرد دوسری شادی کرلیتا ہے تو عموماً عورتیں اس سے خود ہی قطع تعلق کرلیتی ہیں۔ جہیز کا رواج اب انہیں بھی شروع ہوگیا ہے اور اسمیں اضافہ ہوتا جارہا ہے جہیز کی لالچ اب دلتوں کو بھی پہلی بیوی کو چھوڑ کر دوسری شادی کرنے پر اکساتی رہتی ہے لیکن ان میں ایسی کوئی مثال ہمیں نہیں ملی جسمیں دونوں بیویاں ایک ساتھ رہ رہی ہوں۔

جن برادریوں میں تعدد ازدواج کا رواج ہے ان میں پہلی بیوی کی حیثیت کا اندازہ پربھاوتی کے معاملہ کیا جاسکتا ہے اس کی عمر ۲۵ سال ہے۔ ۱۵ سال کی عمر میں اس کی شادی ہوئی تھی۔ دو لڑکیوں کی پیدائش کے بعد چار سال تک اس کے دوسرا بچہ پیدا نہیں ہوا لہٰذا اس کے شوہر نے دوسری شادی کرلی۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ کیا تمہارے شوہر کچھ اور انتظار نہیں کرسکتے تھے؟ تمہارے ہی لڑکا پیدا ہوسکتا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ میرے شوہر نے چار سال انتظار کیا اور کتنا انتظار کرتا، کیا اسوقت تک جب میں بوڑھی ہوجاتی؟

جب میں نے پربھاوتی سے پوچھا کہ اس کے شوہر کی دوسری بیوی کے لڑکا پیدا ہونے کے بعد اس کی حیثیت میں کیا فرق آیا تو اسنے کہا کہ اس کے شوہر نے صرف لڑکے کیلئے شادی کی تھی۔ نہ تو اس کے ماں باپ نے اسے جہیز ہی کم دیا تھا اور نہ اسکا شوہر اسے ناپسند کرتا ہے۔ لہٰذا اس کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ اس نے بتلایا کہ وہ اب بھی اپنے گھر کی مالکن ہے۔ جن رسوم میں پوجا پاٹھ کے وقت میاں بیوی دونوں کو ایک ساتھ بیٹھنا پڑتا ہے۔ اسمیں وہ ہی اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھتی ہے۔ اسنے کہا کہ اس کے سوتیلے لڑکے کی شادی اسی کی بہن کی لڑکی کے ساتھ ہوئی ہے ان لوگوں میں خالہ اور چچا کی لڑکی کے شادی کا رواج ہے۔

ایک طرح سے دیکھا جائے تو پربھاوتی کو بیوی کے تمام حقوق حاصل ہیں، اس نے اپنے حقوق کی بازیابی کیلئے عدالت کی جانب رجوع کرنے کی بابت کبھی سوچا بھی نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تعدد ازدواج میں دونوں بیویوں میں سے کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔ حق صرف لڑکے کا ہوتا ہے۔ میں نے پربھاتی سے جب یہ سوال کیا کہ کیا تمہیں دوسری عورت کے ساتھ اپنے شوہر کے تعلقات پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ مردوں کو دوسری عورتوں سے تعلقات رکھنے پر کون روک لگا سکتا ہے؟ کیا مرد شادی کے بغیر دوسری عورتوں سے تعلقات نہیں رکھتے؟

آیئے دیکھیں کہ دوسری بیوی کی حیثیت کیا ہوتی۔ شانتی بائی کی عمر ۲۵ سال ہے۔ ۱۶ سال کی عمر میں ۳۵ سال کے ایک مرد کے ساتھ اس کی شادی ہوئی تھی اور وہ دوسری بیوی تھی۔ اس کے والدین غریب تھے اور جہیز نہیں دے سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ایک گندھاروا شادی کو ترجیح دی۔ شادی کے ایک سال بعد اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس سے اس کی حیثیت میں کچھ بہتری آئی لیکن اسے بیوی کی حیثیت کبھی نہیں مل سکی۔ وہ یہ جانتی ہے کہ اس کے لڑکے کی شادی کے موقع پر ماں کے تمام فرائض اس کے شوہر کی پہلی بیوی انجام دے گی۔ اسکا شوہر اسے زدوکوب بھی نہیں کرتا اور اسے اپنے گھر میں بیوی کے حقوق حاصل ہیں جب اس سے میں نے یہ پوچھا کہ اگر عدالت اسے لڑکے کی تولیت دے دے تو کیا وہ اپنے شوہر سے الگ رہنا پسند کرے گی؟ تو اس نے جواب دیا کہ شوہر کو چھوڑ کر عورت اور کہاں رہ سکتی ہے، اس نے کہا کہ بھائی کے گھر میں نوکرانی کی طرح رہنے سے تو شوہر کا گھر ہی بہتر ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ والدین سے وراثت خصوصاً زمین میں حصہ ملنا بیوی اور لڑکیوں کی حیثیت بہتر بنانے کے لئے بہت اہم ہے، اگر والدین لڑکیوں کو جہیز کے بجائے مکان یا بینک میں جمع رقم دینے لگیں تو برے برتاؤ اور بے عزتی سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔ اور وقت پڑنے پر انہیں شوہر سے الگ رہنے کے لئے جگہ مل سکتی ہے۔

(بشکریہ آزاد اکیڈمی)

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

(نظم)

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

مرتضیٰ کی مدح سے قاصر ہے گو میری زباں   پھر بھی لکھتا ہوں بتوفیقِ خدائے دوجہاں
مرتضیٰ وہ عم زاد سید کون و مکاں
جس کی ہستی نیرِ تاباں سے بڑھ کر ضوفشاں
مرتضیٰ وہ ملتِ بیضا کا عالی پاسباں   یعنی وہ اسلام کا جو تھا امیرِ کارواں
مرتضیٰ یعنی وہ نورِ دیدہ ہائے مومناں
مرتضیٰ وہ وجہِ تسکینِ قلوبِ عارفاں
وہ فصاحت کا سمندر وہ بلاغت کا امام   یعنی الفاظ و معانی کا وہ بحرِ بیکراں
مرتضیٰ وہ صاحبِ کردار و سیفِ ذوالفقار
جو رہا مدِ مقابل پر ہمیشہ کامراں
وہ ابوالحسنینؓ وہ شیرِ خدا، زوجِ بتول   قامعِ کفر و ضلالت جس کی تیغ بے اماں
کوئی بھی غزوہ نہیں ایسا بجز جنگِ تبوک
نصب ہو جس میں نہ اس ضرغام داور کا نشاں
ابنِ عبدِ وُد سے پوچھو اس کی بے نفسی کا حال   زیر کرکے بھی علیؓ نے بخش دی تھی جسکی جاں
مرتضیٰ وہ جسکو کچھ ایسے شرف حاصل ہوئے
جو نہ حاصل کرسکے اس عہد کے پیر و جواں
خود نبیؐ نے پیار سے جسکو کہا تھا بوتراب   وہ علیؓ مرتضیٰ ہی کی ہے ذاتِ ضوفشاں
بابِ شہرِ علم فرمائیں جسے خود ہی رسولؐ
فیض سے اس کے نہ کیوں معمور ہو سارا جہاں
ہاں وہی جس کے لئے آیا ہے اقضاھم علیؓ   معترف اسکے نہ ہوتے کس لئے اہلِ زباں
"انت منی" اور "انا منک" کہیں جسکو حضورؐ
اس کی عظمت تک پہنچ سکتا ہے کیا اپنا گماں
نزدِ موسیٰؑ مرتبہ حاصل تھا جو ہارون کو   تھا وہی حاصل اسے نزدِ رسولؐ انس و جاں
اک نبیؐ ہے اک ولی، اک آفتاب اک ماہتاب
فرق یہ ہے مصطفےٰؐ و مرتضیٰ کے درمیاں
مرتضیٰ باغِ رسالت کا اک ایسا پھول ہے   آج تک خوشبو سے جسکی ہے معطر گلستاں
تذکرہ رہتا ہے اس کی عظمتوں کا آج بھی
انجمن در انجمن اور داستاں در داستاں
منتہی ہوتے ہیں اس پر ہی تو اکثر سلسلے   ہے تصوف کا وہی تو اصل میں روحِ رواں
تا دمِ آخر سرِ مو بھی نہ حق سے وہ ہٹا
گو زمانے نے لیا ہر اک قدم پر امتحاں
مرتضیٰ کے پیش رو صدیقؓ و فاروقؓ و غنیؓ   جو تھے بالترتیب اُمت کے معزز پاسباں
مرتضیٰ کی منقبت کے ساتھ ان تینوں کا بھی
ہے ضروری ذکر باصد احترام و عز و شاں
سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر یارِ غار   ہے فضیلت جن کی قرآنِ مقدس سے عیاں
دوسرے فاروقِ اعظم صاحبِ عز و وقار
جن کی ہیبت سے تھے لرزاں سارے شاہانِ جہاں
تیسرے عثمان ذی النورین و جانِ حیا   جن کو بیاہی تھیں رسول اللہؐ نے دو بیٹیاں
اور پھر ممدوحِ ما یعنی علی مرتضیٰ
جن کا ثانی ہوسکا کوئی نہ بے ریب و گماں
یا الٰہی کر عطا مجھ کو بھی سوزِ بوتراب   اور رفاقت بھی عطا کر ان کی در باغِ جناں
میرا ہر اک شعر مبنی بر حقائق ہے طفیل
کچھ نہیں اس میں برائے حسن و زیبِ داستاں

عالمِ اسلام

محمود الازہار ندوی

اقوام متحدہ افغانستان میں امداد بحالیات کے تقریباً

ایک سو پروگراموں پر ایک ارب ۶۶ کروڑ ڈالر خرچ کرے گی

اقوام متحدہ افغانستان میں امداد بحالی کے تقریباً ایک سو پروگراموں کیلئے درکار ایک ارب ۶۶ کروڑ ڈالر اکٹھا کرنے کی غرض سے اقوام متحدہ نے ایک مہم بعنوان "آپریشن سلام" شروع کی ہے۔ اس پروگرام کے لئے اقوام متحدہ کے رابطہ افسر پرنس صدرالدین آغا خاں نے بتایا کہ ۱۲ ار اکتوبر کو اس مہم کی ابتدائی کانفرنس میں ہی ۹۱ کروڑ ۵ لاکھ ڈالر اکٹھا ہوگئے جس میں غذائی امداد سے لے کر بارودی سرنگوں میں صفائی میں معاونت تک شامل ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اقوام متحدہ کے تیار کردہ امداد بحالی کے پروگرام کیلئے جس قدر قوم درکار ہوں گی ان کا ۶۹٪ فیصد اسی ابتدائی میٹنگ میں اکٹھا ہوگیا یہ بڑی حوصلہ افزا بات ہے۔

پرنس صدرالدین نے کہا کہ یہ عطیات ایسے وقت میں دیئے گئے ہیں جبکہ افغان طویل سردیوں کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کررہے ہیں، ان قوم سے انھیں اپنی حالت سدھارنے میں مدد ملے گی۔ "سلام" کے اصل معنی یہی ہیں۔ اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری پریز دی کوئیار نے کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ جینوا معاہدہ کی وجہ سے جو سیاسی پیشرفت ہوئی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ مؤثر بین الاقوامی تعاون کے ذریعہ ان لوگوں کی فوری ضروریات پوری کی جائیں، جن کی زندگیاں متاثر ہوئی ہیں۔ سکریٹری جنرل نے بتایا کہ اس وقت دنیا کے تقریباً ۵۰ فیصد رفیوجی افغان ہیں۔ پچاس لاکھ سے زیادہ افغان اپنا ملک چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ اور کوئی ۲۰ لاکھ ملک کے اندر ہی منتشر ہوگئے ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار لوگ مستقلاً معذور ہوگئے ہیں۔

انھوں نے کہا، کہ افغانستان کا جو کہ دنیا کا غریب ترین ملک ہے۔ اقتصادی ڈھانچہ درہم برہم ہوگیا ہے۔ اپنی زندگی کی از سر نو درستگی میں افغان عوام کی مدد کرنا ضروری ہے۔ پرنس صدرالدین نے بیجوں کی فوری فراہمی کی ضرورت پر زور دیا۔ ورنہ غذائی امداد کی ضرورت بڑھ جائے گی۔ اسی طرح ٹیکوں کا پروگرام فوراً نہ شروع کیا گیا تو بیماریاں پھیل جائیں گی۔ اسی طرح رفیوجیوں کی واپسی کیلئے لچکدار پروگرام کی ضرورت ہے۔ ورنہ سردیوں میں اور سیکورٹی کے حالات کی وجہ سے بڑے پیمانہ پر نقل وحرکت مشکل ہوجائے گی۔

امریکی سفیر ہربرٹ اوکن نے کہا کہ امریکہ اپنے لاکھوں ڈالر کا امدادی پروگرام جاری رکھنا چاہتا ہے۔ جس کی قطعی مقدار اسی وقت بتائی جاسکتی ہے جب امریکی کانگریس اور ریگن انتظامیہ مالی سال ۸۹ء کے بجٹ کی کارروائی مکمل کرلیں۔ انھوں نے بتایا کہ گذشتہ سال امریکہ نے افغانوں کو بحیثیت مجموعی ۱۴ ار کروڑ ۲۰ لاکھ ڈالر کی امداد فراہم کی تھی ہم رواں مالی سال میں بھی خاصی امداد کی توقع رکھتے ہیں امریکی سفیر نے مزید کہا کہ امریکہ کے خیال سے تو اقوام متحدہ کے پروگرام کی کامیابی کے لئے تین بنیادی اصولوں کی پابندی ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ رفیوجیوں کی واپسی اور بحالی کو اولیت دی جائے۔ دوسرے یہ کہ امداد براہِ راست افغان عوام کو دی جائے۔ نہ کہ اس طرح کہ اس کے ذریعہ سیاسی منفعت کا امکان ہو تیسرے یہ کہ اقوام متحدہ کے اداروں کو پوری سختی اور حقیقت پسندی کے ساتھ پروگرام پر عملدرآمد کرنا چاہیئے۔

دریں اثنا فارین پریس سنٹر واشنگٹن میں وہائٹ ہاؤس کے ڈپٹی پریس سکریٹری رومن پرپا ڈیوک نے بتایا کہ بجٹ کی مشکلات کے باوجود امریکہ افغانستان کی تعمیر نو کے لئے اگلے سال کے دوران غالباً ۱۵ ار کروڑ ڈالر فراہم کرے گا۔ انھوں نے بتایا کہ ۱۹۷۹ء میں جنگ افغانستان کے آغاز سے اب تک امریکہ کوئی ۷۰ کروڑ ڈالر کی امداد افغانستان کو فراہم کرچکا ہے

اسلامی ملکوں کا غذائی ذخیرہ قائم کرنے کا فیصلہ

اسلام آباد میں منعقد اسلامی ملکوں کی وزراء خوراک کانفرنس میں اسلامی ملکوں کا ایک غذائی ذخیرہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ ذخیرہ قائم کرنے کی تجویز پاکستان نے پیش کیا تھا۔

کانفرنس نے فیصلہ کیا کہ اس ذخیرہ سے ضرورت مند مسلم ملکوں کو امداد دی جائے گی۔ مسلم وزراء خوراک نے زراعت کے شعبوں میں مسلم ملکوں کے درمیان تعاون میں اضافہ کرنے کا بھی فیصلہ کیا۔

۶ فٹ کا قرآن مجید کا ایک صفحہ

قرآن حکیم کا (۵۵۰) سالہ قدیم نسخہ جو ہاتھ سے لکھا گیا ہے "آکشنرز" نے ۲ لاکھ ۷۰ ہزار ۵۰۴ ڈالرس میں بیچا ہے اس صفحہ کا طول وعرض ۶ فٹ اور ۷/۳ فٹ (یعنی ۱۰۸ میٹر اور ۱/۱ میٹر) ہے یہ صفحہ تیمور لنگ کے پوتے شہزادہ بے سنگور نے لکھوایا تھا تاکہ سمرقند میں اپنے دادا عظیم فاتح تیمور لنگ کے مقبرہ میں اسے نصب کیا جائے۔ مشرق وسطی کے جس شخص نے صفحہ کو خریدا ہے وہ اپنی شناخت کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا ہے نے کہا کہ اس سائز کے صرف دو دیگر صفحات اس کے نسخے کے علم میں ہیں اور وہ پرائیوٹ نادر اشیاء جمع کرنے والے لوگوں کی ملکیت ہے۔ اس صفحہ میں عربی زبان میں لکھی ہوئی سات سطریں ہیں جو قرآن حکیم کی (۶۲۳۶) آیات میں سے صرف دو آیات پر مشتمل ہیں۔ ساتھبی کے مشرقی مخطوطات کے ماہر سہیل سعیدی کا کہنا ہے کہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہے کہ یہ صفحہ اتنا بڑا کیوں ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ شہزادہ نے متاثر کرنے کے لئے اس شان اور شاہ خرچی کا مظاہرہ کیا ہو۔

سعودی عرب میں بھی رشدی کی کتاب پر امتناع کا مطالبہ

مسلم نوجوانوں کی عالمی اسمبلی نے مطالبہ کیا ہے کہ برطانوی مصنف سلمان رشدی کے ناول "شیطانی آیات" پر فوری امتناع عاید کیا جائے کیونکہ یہ کتاب مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے والی ہے۔ سعودی روزنامہ گزٹ نے یہ اطلاع دی۔ فوری طور پر معلوم نہیں ہوا کہ آیا سعودی عرب کی قدامت پسند اور مذہبی حکومت بھی رشدی کی کتاب پر امتناع عائد کرنے کا منصوبہ رکھتی ہے یا نہیں۔ جدہ میں شائع شدہ گزٹ میں اسمبلی کے سکریٹری جنرل مناع الجوہانی کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ساری دنیا کی (۵۰۰) زائد مسلم نوجوانوں کی تنظیموں کی جانب سے وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ کتاب کا مصنف اور پبلشر مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کے سلسلے میں معافی مانگیں اور اس کتاب کی فوری عالمی مارکٹ سے واپس لے لی جائے۔ انہوں نے تمام مسلم ممالک سے بھی اپیل کی ہے کہ رشدی کی کتابوں اور اس پبلشر کی شائع کردہ دیگر کتابوں پر امتناع عاید کریں

سلمان رشدی کی کتاب مسلمانوں کے خلاف ایک سازش ہے

ڈاکٹر عمر نصیف

مسلمانوں کی عالمی تنظیم رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے کہا کہ سلمان رشدی کی کتاب مسلمانوں کے خلاف ایک سازش ہے اسلئے اسے فوری طور پر واپس لیا جائے، ڈاکٹر نصیف نے کہا اس کتاب سے دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کی اس دل آزادی پر کتاب کا مصنف اور ناشر غیر مشروط معافی مانگیں بصورت دیگر وہ مسلمان ممالک پر زور دیں گے کہ وہ سلمان رشدی کی تمام کتابوں پر پابندی لگادی جائے۔ یاد رہے کہ سلمان کی پہلی دونوں کتابیں بھی متنازعہ رہی ہیں۔

سکریٹری جنرل نے کہا کہ ان کی تنظیم نے اس کتاب کا سختی سے نوٹس لیا ہے اور اسمیں اسلام کی مقدس شخصیات کے بارے میں سطحی زبان استعمال کی گئی ہے۔

۷۶ فیصد بھارتی ہندو

سلمان رشدی کی کتاب پر پابندی کے حق میں

بھارتی ہندوؤں کی بھاری اکثریت برطانوی ادیب سلمان رشدی کی کتاب شیطانی آیات پر پابندی کے حق میں ہے، بمبئی کے اخبار "انڈیپنڈنٹ" کے نئے رائے عامہ کا جو جائزہ لیا گیا ہے اس میں ۷۶ فیصد ہندوؤں اور ۶۷ فیصد

فیصد مسلمانوں نے سلمان رشدی کے ناول شیطانی آیات پر پابندی لگانے کی حمایت کی ہے اور کہا ہے حکومت اس کتاب کو ممنوع قرار دینے میں حق بجانب ہے۔ صرف ۱۳ فیصد مسلمان اور ۲۴ فیصد ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت اس ناول پر پابندی لگانے میں حق بجانب نہیں ہے۔ ۵۴ فیصد ہندوؤں اور ۵۹ فیصد مسلمان یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ایسی کتاب پر جس سے کسی خاص گروپ کے جذبات مجروح ہوتے ہوں تو پابندی لگنی چاہئے جب لوگوں سے یہ پوچھا گیا کہ کیا وزیر اعظم راجیو گاندھی نے آئندہ عام انتخابات میں مسلمانوں کے لئے ووٹ حاصل کرنے کیلئے اس ناول پر پابندی لگائی ہے تو انھوں نے اس پر واضح رائے کا اظہار نہیں کیا۔ ۲۷ فیصد ہندو اور ۲۵ فیصد مسلمان محسوس کرتے ہیں کہ پابندی مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے لگائی گئی ہے۔ ۱۲۸ ہندوؤں اور ۱۲۶ مسلمانوں سے مذکورہ کتاب پر پابندی کے بارے میں جب پوچھا گیا تو ۶۶ فیصد ہندوؤں اور ۶۷ فیصد مسلمانوں نے پابندی کے حق میں رائے دی ۱۰ و ۹ ہندوؤں اور ۱۲ مسلمانوں نے کوئی رائے نہیں دی جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا مسلم ووٹ حاصل کرنے کے لئے کتاب پر پابندی لگائی گئی ہے تو ۲۰ ہندوؤں اور ۵۴ مسلمانوں نے اس سوال کا اثبات میں اور ۵۴ ہندوؤں اور ۵۲ مسلمانوں نے نفی میں جواب دیا ۱۹ ہندوؤں اور ۲۰ مسلمانوں نے کہا کہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا ان سب کتابوں پر پابندی لگنی چاہئے جن سے مذہبی جذبات مجروح ہوتے ہیں تو ۵۴ ہندوؤں اور ۵۹ مسلمانوں نے ہاں میں اور ۲۵ ہندو اور ۱۷ مسلمانوں نے نہیں میں جواب دیا اور ۲۱ ہندو اور ۲۵ مسلمانوں نے کہا کہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

شیطانی کتاب پر خلیج میں پابندی

ابوظہبی — سلمان رشدی کی بدنام زمانہ کتاب "شیطانی آیات" پر تمام ۶ خلیجی ممالک میں پابندی عائد کردی گئی ہے۔ متحدہ عرب امارات کے ایک سینئر عہدیدار نے یہ اعلان کیا۔ وزارت اطلاعات و ثقافت کے نائب سکریٹری عبدالعزیز للمدفا نے بتایا کہ متحدہ عرب امارات کی حکومت نے ایک انگریزی اخبار کی کاپیاں ضبط کرلی ہیں جس میں اس کتاب کی تشہیر کی گئی تھی۔ مقامی بک سیلرس کو مشورہ دیا گیا ہے کہ یہ کتاب درآمد نہ کریں اور اگر انھوں نے لندن میں اس کا آرڈر دیا ہو تو اسے منسوخ کرادیں۔ انھوں نے کہا کہ سرکاری طور پر اس کتاب کا جائزہ لیا گیا اور یہ پایا گیا کہ یہ کتاب قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اس کتاب پر سب سے پہلے ہندوستان میں پابندی عائد کی گئی تھی۔ خلیج تعاون کونسل میں ۱۹۸۱ء میں جو معاہدہ طے پایا تھا اس کے تحت اس کونسل کے ۶ ارکان متحدہ عرب امارات، کویت، عمان، بحرین، قطر اور سعودی عرب دفاع معاشی اور دیگر معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔

بنگلہ دیش و جنوبی افریقہ میں بھی پابندی

جوہنسبرگ — (جنوبی افریقہ)

حکومت جنوبی افریقہ نے جنوبی افریقی مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے ہندوستانی نسل کے برطانوی ادیب کی شیطانی کتاب پر پابندی لگادی ہے۔ جس وقت شیطان ادیب کی شیطانی کتاب پر پابندی لگانے کا اعلان کیا گیا ہے اس وقت وہ جنوبی افریقہ میں سنسرشپ کے خلاف منعقد ہونے والی ایک کانفرنس کا افتتاح کرنے کے لئے یہاں آیا ہوا تھا یہ کانفرنس ایک اخبار کی طرف سے منعقد کرائی جارہی تھی۔ اس اخبار کو حکومت نے دھمکی دی ہے کہ وہ اس کے مواد کو سنسر کرے گی کانفرنس کے منتظمین نے اعلان کیا ہے کہ شیطان رشدی بیمار ہوگیا ہے لیکن یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اس کے خلاف مظاہرے کے خوف سے کانفرنس منسوخ کردی گئی ہے۔

تازہ ترین اطلاع کے مطابق "شیطان رشدی" کانفرنس سے خطاب کئے بغیر لندن واپس چلا گیا ہے۔ پولیس کے ذرائع نے بتایا ہے کہ مسلمانوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر رشدی نے جنوبی افریقہ میں قیام کے دوران کسی اجتماع سے خطاب کیا تو اس کے خلاف مظاہرہ کیا جائیگا۔ جس اخبار نے رشدی کو مدعو کیا تھا اس پر حکومت جنوبی افریقہ نے گذشتہ روز پابندی لگادی۔ ڈھاکہ سے بنگلہ دیش نیوز ایجنسی نے اطلاع دی ہے کہ حکومت بنگلہ دیش نے شیطان رشدی کی شیطانی کتاب پر پابندی لگادی ہے۔ حکومت کے جاری کردہ ایک حکم میں کہا گیا ہے کہ اگر اس کتاب کی کوئی جلد یا اس کا کوئی حصہ کہیں پایا جائے تو اس کو فوراً ضبط کرلیا جائے۔

امریکہ میں پابندی کا مطالبہ

شمالی امریکہ کی تنظیم حلقہ اسلامی، ایک پبلشنگ ہاؤس وائی کنگ پر دباؤ ڈالنے کی ایک مہم کا آغاز کیا ہے کہ سلمان رشدی کی متنازعہ ناول "شیطانی آیات" کو فروری میں امریکہ میں شائع کرنے کا منصوبہ ترک کردے۔

"دی مسلم الرٹ نٹ ورک" نے اس تنظیم کا ایک خط چھاپا ہے۔ جس میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ فوری طور پر اپنا احتجاج ٹیلی فون، ٹیلی گرام اور خطوط کے ذریعے پبلشر سے کریں۔ اور کہیں کہ امریکہ میں یہ کتاب نہ شائع کی جائے۔

پبلشر "پن گوئن" سے بھی مطالبہ کیا گیا ہے جس نے لندن میں اس ناول کو شائع کیا ہے کہ بازار سے اس کی تمام کاپیاں واپس لے لے اور اسلام اور مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے پر علی الاعلان معافی مانگے تنظیم نے غیر مسلم مذہبی تنظیموں سے تعاون کی بھی درخواست کی ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ نے مذہب اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے اس کے خلاف وہ بھی ہم آواز ہوکر احتجاج کریں۔

امریکہ میں مسلمانوں کی اس تنظیم نے اپنے ممبروں پر زور دیا ہے کہ واشنگٹن میں مسلم ممالک کے سفیروں کو لکھیں کہ مزید اقدام کے لئے وہ یہ معاملہ اپنی اپنی حکومتوں کے ساتھ اٹھائیں تنظیم نے کہا کہ اس کتاب میں جو ایک ناول کی شکل میں ہے پیغمبر اسلام حضرت محمدﷺ کی زندگی پر رکیک اور واضح حملے کیے ہیں۔ اور ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ ایسے شخص تھے جو ایک فرشتہ اور شیطان کی آواز میں فرق نہیں کرتے تھے اور اسی لئے ان پر نازل ہونے والی آیات شیطانی ہیں۔ امریکہ میں یہ ناول فروری ۱۹۸۹ء میں وائی کنگ پبلشرس شائع کرے گا۔

شمالی امریکہ کی اس مسلم تنظیم نے مزید کہا ہے کہ یہ کتاب جو ایک ادبی تخلیق بتائی گئی ہے۔ نہ صرف یہ کہ تاریخ اسلام کو عمومی طور پر انتہائی توڑ مروڑ کر پیش کرتی ہے۔ بلکہ رسول خدا حضرت محمدؐ اور پیغمبر حضرت ابراہیمؑ (خدا ان پر رحمت نازل کرے) کے کرداروں کو انتہائی بھونڈے رنگ آمیزی اور پوری طرح مسخ کرکے پیش کرتی ہے۔

یہ نام نہاد ادبی شہ پارہ پیغمبر اسلام کے ساتھیوں کے بھی کرداروں کو مسخ کرکے پیش کرتا ہے۔ مثلاً حضرت بلالؓ حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت حمزہؓ نبی کریم حضرت محمدؐ کی ازواج مطہرات کے ساتھ مذاق کیا گیا ہے۔ اور انکی کرداروں کو مسخ کرکے پیش کیا گیا ہے اسکے علاوہ اس کتاب میں اسلامی عقائد مسلک اور طریقوں کو انتہائی فحش زبان استعمال کرکے بیان کیا گیا ہے بلکہ ایک طرح سے گالیاں دی گئی ہیں۔

خلیجی جنگ کے تمام قیدیوں کی واپسی سے عراق کا اتفاق

اقوام متحدہ عراق نے خلیجی جنگ کے تمام قیدیوں کو واپس کرنے سے اتفاق کرلیا ہے بشرطیکہ ایران بھی ایسا ہی کرے۔ ایک ایرانی سفارت کار کی توثیق کے مطابق تمام اسیران جنگ پر لاگو ہوگا۔ اور اس سے کم از کم امن بات چیت کے ایک مسئلہ کی یکسوئی چاہیئے ایرانی سفارت کار نے کہا کہ دونوں ممالک کے درمیان بیمار اور زخمی اسیران جنگ کا انسانی بنیادوں پر تبادلہ خیال میں آچکا ہے۔ اور باقی اسیران جنگ کی اس طرح کی واپسی کا آغاز ہوگا۔ ان دونوں سفارت کاروں نے اپنی شناخت ظاہر نہ کرنے کی خواہش کی ہے۔ ریڈکراس کے بموجب ایران کے پاس ۵۱۸۲ عراقی اور عراق کے پاس ۲۸۴ ۱۹ ایرانی اسیران جنگ ہیں۔ لیکن اقوام متحدہ کے عہدیداروں اور ایران عراق کے سفارت کاروں کا خیال ہے کہ ایران کے پاس ۶۰ – ۷۰ ہزار اور عراق کے پاس ۳۰ تا ۵۰ ہزار ایرانی اسیران جنگ ہیں جن میں اکثر کو ابھی درج رجسٹر نہیں کیا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کی ضیانتی مجلس کی قرارداد ۵۹۸ میں فوری جنگ بندی کی قبولیت کے سوا کوئی پیش رفت نہیں ہوئی جس کا آغاز ۲۰ اگست کو ہوا۔ اور اس کے پانچ دن گفت و شنید کا آغاز ہوا۔ بات چیت سے قریبی ربط رکھنے والے اقوام متحدہ کے ایک عہدیدار نے کہا (بقیہ صـ ۹ پر)

کچھ اس ادا سے بچھڑے کہ رُت ہی بدل گئی

"جناب صدر، یہ میرے لڑکے طارق عمیر آپ کے آٹوگراف چاہتے ہیں"۔

ان الفاظ کے ساتھ والد صاحب (مفتی فضیل الرحمٰن) نے میری ملاقات صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے ساتھ راولپنڈی میں سیکنڈ انٹرنیشنل قرآن کانگریس کے افتتاح کے موقع پر کرائی۔

صدر کے دستخط میری آٹوگراف بک پر اور ان کی دلکش مسکراہٹ میرے قرطاس دل پر نقش ہوگئی۔

افسوس میں اس وقت والد صاحب کے ساتھ صدر کے دیئے ہوئے عشائیہ میں شرکت نہ کرسکا — لیکن یہ مختصر سی ملاقات بھی میرے یادگار لمحوں میں شامل ہے لمحے جو گذر چکے ہیں — مسکراہٹ جو چھن چکی ہے۔ انسان فانی ہے۔ مگر اس کا عمل کب فنا ہوتا ہے۔ اس کے کارنامے، اس کی خدمات کون چھین سکتا ہے — حیات ختم ہے — کتاب حیات (اعمال نامہ) محفوظ ہے۔ ضیاء — اسلام کے مخلص شیدائی تھے۔

نذرِ ضیاء
جنرل ضیاء الحق کی وفات پر

حق کی ضیاء، امینِ شہادت وہ خوش نصیب
دنیا میں وہ اخوتِ اسلام کا نقیب
جس کی نظر میں دین کی آفاقیت رہی
انساں نہیں نگاہ میں انسانیت رہی
قرآں سے جس کو تادمِ آخر شغف رہا
رخصت ہوا تو پاک صحیفہ بکف رہا
فرزندِ دیں حیات میں حق آشکار پر
صد رحمتیں خدا کی ہوں ایماں شعار پر

کفیل الرحمٰن نشاط

ضیاء — عاشق رسولؐ تھے۔

اسلام کے شیدائی — رسولؐ کے عاشق۔ تیزی کے ساتھ ان کے قریب آتے جارہے تھے۔

ضیاء پاکستان میں شریعت اسلام کا نفاذ چاہتے تھے — وہ ہر اس مرد مومن کے دل کی دھڑکن بنتے جارہے تھے جو اس قانون کو زندگی کے میدان میں زندہ و تابندہ دیکھنے کی آرزو رکھتا ہے۔ دلوں کے دھڑکنے کا یہ انداز ملت کفر کو کبھی پسند نہیں آیا۔ ظلمتیں ہمیشہ روشنی سے خائف رہی ہیں — شاہ فیصل مرحوم بھی اسی طرح دلوں کی دھڑکن بنتے جارہے تھے۔ عالم اسلام کے اتحاد کا خواب حقیقت بننے جارہا تھا۔ اور مجبوراً ملتِ کفر کو انکی دھڑکن بند کرنی پڑی تھی۔

ضیاء مرحوم کی وفات کے المناک حادثہ پر رنج و افسوس کے ساتھ ہمیں اس بات پر اطمینان ہے کہ مرحوم نظام مصطفےٰ کی بنیادیں مملکت پاکستان میں رکھنے میں ایک حد تک کامیاب ہوگئے۔ اور اپنے حصہ کا کام پورا کرکے عزت و وقار کے ساتھ اپنے رب سے جاملے۔

جس طرح ان کی خدمات تحسین و آفرین کے قابل ہیں ان کی موت بھی قابل صد رشک ہے — وہ ایک مجاہد، ایک سپاہی، اور ایک شہید کی موت کا تمغہ حاصل کرنے میں کامیاب رہے — انکے سینے پر لگے ہوئے تمغوں میں یہ سب سے نمایاں تمغہ ہے، جو فرشتوں کے مقدس ہاتھوں نے سجایا ہے۔ بائیں طرف سینے کے اوپر ان کے جیب میں رکھا ہوا اللہ کا کلام حیرت انگیز طور پر محفوظ رہا ہے — اللہ کا دین محفوظ ہے — یہ تا قیامت انشاء اللہ محفوظ رہیگا ضیاء کی خدمات محفوظ ہیں، ان کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔

پنداشت ستمگر کہ جفا بر من کرد
بر گردنِ او بماند و ز ما بگذشت

اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے ان کے درجے جنت میں بلند فرمائے۔ اور پاکستان اپنی حقیقی منزل "لا الٰہ الا اللہ" کی طرف رواں دواں رہے۔

بقیہ
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

افسوس! آپ کا وہ مخصوص و مقبول طرز درس و طرز کلام، منفرد نوعیت کا انداز بیاں کون بھلا سکتا ہے، بیضاوی شریف کا درس کیونکر بھلا سکتے ہیں، آپ کے دلچسپ و دلنشیں انداز بیاں میں ہم سب محو ہوجاتے، وہ سہل اسلوب اور جامع و مدلل طریقہ ایسا معلوم ہوتا کہ شیریں مشروبات کے جام جارہے ہیں، کیا ہی انوکھا و اچھوتا، نرالا و البیلا طرز تھا! جب بولتے تو شفقت و محبت کے موتی بکھرتے، ایک دن کا دلچسپ واقعہ بھلائے نہیں بھول سکتے، مولانا نے درس کے بعد پانی طلب فرمایا ایک ساتھی جلدی سے لے کر حاضر ہوا، آپ مسند درس پر تشریف فرما ہم سب ساتھیوں کی نگاہیں ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں وہ ساتھی گلاس پر گلاس پیش کئے جارہا تھا اور آپ پیے جارہے تھے پھر ایک گلاس ہاتھ میں لیکر اپنے خاص انداز و اسلوب میں بدن کو جھٹکتے ہوئے پڑھا ؎

ساقی جو دے جائے یہ کہہ کہ کے پیے جا
میں بھی پیے جاؤں یہ کہہ کہ کے دیے جا

پورا درجہ جھوم جھوم اٹھا، کسی نے کہا تھا کہ ؎

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات
رو کر گزار دے یا ہنس کر گزار دے

ہمارے مولانا ایک ضوفشاں شمع علم تھے انہوں نے اس عظیم نعمت الٰہی پر ہنس کر اپنی عمر طبعی کی رات گزار دی اور سحر ہونے سے قبل رفیق اعلیٰ سے جاملے، اے مسافر آخرت! تو نے سلامتی کے ساتھ دنیا کے اس پر پیچ سفر کو طے کرلیا، جانے والے مسافر! ہمارا آخری سلام لیتا جا، تیرے عظیم احسانات کے بارگراں سے ہمارے سر خم ہیں، تو نے ہمیں مے خانۂ علم کی کتنی صراحیاں پلادی تھیں اب جب وقت آیا تھا کہ تیرے سامنے خود سے پینا سیکھتا تو داغ یتیمی دے کر عالم جاں کو روانہ ہوگیا — بار الہا! تو انہیں جنت الفردوس میں اپنی رضا کے ساتھ نازل فرما، باران رحمت سے ان کی تربت کو سیراب کردے

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؎

ایسی سنسان کبھی پہلے نہ تھی ہجر کی رات
دور تک قافلۂ صبح کے آثار نہیں

●●

بقیہ
ندوہ کا چہکتا بلبل.....

"وما ذلك على اللّٰه بعزيز"

"اللّٰهم يا حيّ يا قيّوم برحمتك نستغيث اصلح لنا شأننا كلّه ولا تكلنا إلى انفسنا طرفة عين ٥"

ہم مولانا کے پسماندگان خصوصاً استانی محترمہ کی تعزیت کن الفاظ میں کریں، زبان و قلم پر سکتہ کا عالم طاری ہے۔ اے اللہ تو ہی قوت برداشت عطا فرما، اور صبر جمیل کی توفیق دے۔ (آمین یا رب العالمین)

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
افلاک سے ہے اسکی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن
(علامہ اقبالؒ)